"ریت" نمبر

ماہنامہ

چانن

کسان، مزدور عورتوں اور مردوں کی آواز

صرف ممبران کے لیے

ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ، پاکستان

جلد 10 • شمارہ 12 • بھادوں • اگست 2014ء

جبری شادیوں کی روک تھام کے لئے اقلیتوں کی میرج رجسٹریشن کا قانون فوری طور پر وضع کیا جائے

" ریت " کے تحت پارلیمانی نمائندوں کے ساتھ پینل ڈسکشن میں شرکاء کا اظہار خیال

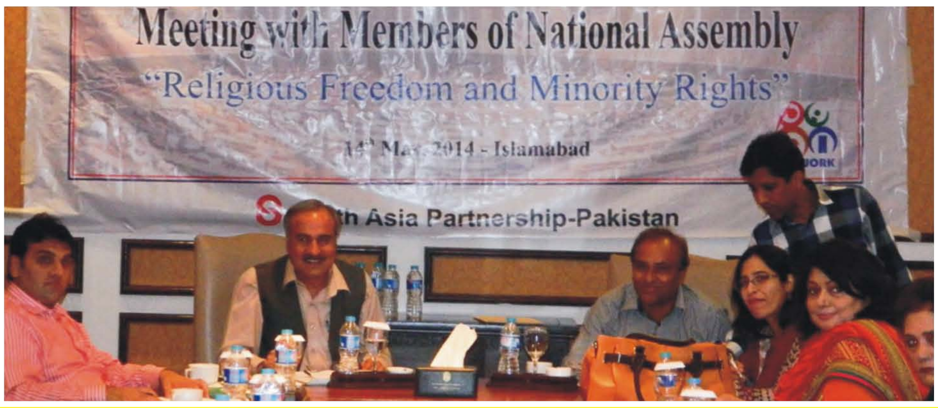

رپورٹ: چانن

14 مئی کو اسلام آباد میں ریت پروگرام کے تحت پارلیمانی نمائندوں کے ساتھ پینل ڈسکشن کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں ڈاکٹر خادم حسین نے بحیثیت ریسورس پرسن مذہبی اقلیتوں کے مسائل اور حقوق کے حوالے سے گفتگو کی۔ڈاکٹر صاحب اس موضوع پر خاصی تحقیق اور مطالعہ کی حامل شخصیت ہیں۔ان کی گفتگو کے بعد ہاؤس کو پارلیمانی نمائندوں کے لئے اوپن کر دیا گیا۔جس میں اظہار خیال کرتے ہوئے قومی اسمبلی میں اقلیتی نمائندے رمیش لعل نے کہا کہ مخصوص نشستوں پر منتخب ہو کر آنے والے اراکین کو بہت سے مسائل درپیش ہیں۔ جن کے لئے انہیں خود بھی آواز اٹھانا ہو گی۔انہوں نے بتایا کہ میں نے اسمبلی میں تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندوں سے بات کی ہے اور ایک قرارداد پر ان سے دستخط بھی کرائے ہیں جس میں اقلیتوں کی عبادت گاہوں کے تحفظ کی بات کی گئی ہے۔انہوں نے کہا کہ اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے میں نے لاء اینڈ جسٹس اور کچھ این جی اوز کے ساتھ مل کر ایک بل تیار کیا ہے جسے سٹینڈنگ کمیٹی کی اگلی میٹنگ میں فائنل کیا جائے گا۔انہوں نے کہا کہ مختص نشستوں پر آنے والے ممبران قومی وصوبائی اسمبلی کبھی بھی اقلیتوں کے مسائل کے حل میں دلچسپی نہیں لیتے۔حالانکہ سیاسی جماعتوں کا بھی فرض بنتا ہے کہ وہ اقلیتوں کے مسائل کو اُجاگر کریں۔لیکن ایسا ابھی تک نہیں ہوا ہے کیونکہ سیاست میں نمبر گیم چلتی ہے۔ وہ 95 فیصد کو دیکھیں گے نہ کہ 5 فیصد کو۔لہذا ریزرو سیٹوں پر آنے والے اراکین یہ بیڑا اٹھائیں۔اس کے بعد ہم اکثریتی ارکان کے ساتھ مل کر زیادہ بہتر لابنگ کر سکتے ہیں۔ممبر قومی اسمبلی لعل چند ملہی نے کہا کہ گو کہ سیاسی جماعتیں اقلیتوں کے مسائل میں کوئی دلچسپی نہیں لیتیں لیکن ان کی طرف سے کسی قسم کی کوئی روکاوٹ بھی نہیں ہے۔لہذا تمام جماعتوں میں موجود اقلیتی ممبران مل کر اپنی اپنی کمیونٹی کے مسائل اٹھائیں۔مجھے امید ہے کہ اکثریتی ارکان ان کا ساتھ دیں گے۔انہوں نے تجویز پیش کی کہ اقلیتوں کے لئے مخلوط طریقہ انتخاب عمل میں لایا جائے یعنی وہ براہ راست انتخابات کے ذریعے اسمبلیوں میں آئیں۔تا کہ ان کے پاس بھرپور مینڈیٹ ہو،اقلیتی اراکین اسمبلی کو میرج رجسٹریشن کے مسئلے کو فوری طور پر اٹھانا ہو گا، پرائمری سے گریجوئشن تک ہمارا اپنا نصاب تعلیم ہونا چاہئے، نیز یہ کہ ہمارے مذہبی مقامات کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔پاکستان تحریک انصاف سے سیمسن شرف نے کہا کہ پاکستان بنانے میں مسیحی برادری کا بہت بڑا کردار رہا ہے جسے فراموش کیا جا رہا ہے۔اٹھارویں ترمیم کے تحت صوبوں کو بہت سے اختیارات منتقل ہونے کی وجہ سے اقلیتوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔سول سوسائٹی کی نمائندہ مس شازیہ نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اقلیتوں کے تحفظ کی بات کرنے کی بجائے ہمیں ان کے لئے مساوی حقوق کی بات کرنی چاہئے۔کیونکہ تحفظ کی بات یہ تاثر لئے ہوتی ہے کہ وہ لائق ہمدردی ہیں ،اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اقلیتوں کے مسائل کو stretegically دیکھنا ہو گا جیسے جبری شادیاں یا جبری مذہب کی تبدیلی۔عورت فاؤنڈیشن سے فیروزہ نے کہا کہ اقلیتوں کے حوالے سے جو بھی قانون بنایا جائے وہ تمام صوبوں میں یکساں نوعیت کا ہونا چاہئے۔اس کے علاوہ اقلیتوں کا ایک کاکس بننا چاہئے۔فیروزہ نے ڈاکٹر خادم کے معلومات اور تحقیق پر مبنی لیکچر کو تحریری صورت میں لانے کی تجویز بھی پیش کی تا کہ اسے وسیع حلقوں میں تقسیم کیا جا سکے۔کیونکہ معاشرے میں عدم برداشت بڑھ رہی ہے اور ایسا مواد اس رجحان میں کمی لا سکتا ہے جس میں مذاہب کے احترام کی بات موجود ہو۔آسیہ ناصر نے کہا کہ ہم کبھی بھی اقلیتوں کے لئے علیحدہ حق رائے دہی کے حق میں نہیں رہے۔ بلکہ یہ کبھی بھی دنیا بھر میں بھی معتبر تصور نہیں کئے جاتے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ جو نمائندے ووٹ کی طاقت سے ایوانوں میں آتے ہیں ان کی آواز بھی سنی جاتی ہے۔آج پاکستان میں مذاہب اور اقلیتوں کے حوالے سے جو ابتر صورت حال ہے اس کی ایک وجہ علیحدہ طرز انتخابات بھی ہے تاہم ہم دہرے ووٹ کے حق کی بات ضرور کرتے ہیں ۔ انہوں نے حکومتوں کی اقلیتوں کے حوالے سے مختلف ملازمتوں میں کبھی کوٹہ تو کبھی میرٹ کی دہری پالیسی کو ہدف تنقید بنایا۔انہوں نے مخلوط انتخابات کو سراہتے ہوئے اس میں موجود سقم دور کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔آسیہ ناصر نے اقلیتوں کے لئے سیٹیں بڑھانے کی ضرورت پر بھی زور دیا تاہم انہوں نے کہا کہ سیاسی جماعتوں کے اندر وویمن ونگ یا اقلیتی ونگ نہیں ہونے چاہیں۔انہوں نے تجویز پیش کی کہ سیاسی جماعتیں اقلیتوں کو ایسے حلقوں سے انتخابات لڑنے کا ٹکٹ دیں جہاں ان کی جیت یقینی ہو ۔پنڈت چمن لعل نے کہا کہ نصاب کو درست کئے بغیر اقلیتوں کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔کیونکہ خرابی کی جڑیں نصاب میں ہی ہے جہاں دیگر مذاہب کے لئے نفرت آمیز مواد شامل کیا گیا ہے۔ ہندو مذہب کے بارے میں گمراہ کن باتیں نصاب کا حصہ بنائی گئی ہیں کہ ہندو کافر ہے اور یہ لڑکیوں کو زندہ دفنا دیتے ہیں۔میں سمجھتا ہو کہ مذاہب کا مطالعہ کئے بغیر ایسی باتیں پھیلانا سراسر زیادتی ہے۔ہمیں یہ بات باور کر لینی چاہئے کہ ہر مذہب امن درس دیتا ہے اور شر انگیزی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ لاہور گرائمر اور لمز میں بین المذاہب ہم آہنگی پر ایک مضمون پڑھایا جانے لگا تو حکومت نے بند کرادیا۔میڈیا کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ ادارہ ابھی تک مذاہب کو آپس میں لڑا رہا ہے۔اسے اپنا وطیرہ بدلنے کی اشد ضرورت ہے ۔اسے مذاہب میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے اپنا مثبت کردار ادا کرنا ہو گا۔انسان فاؤنڈیشن سے کشور سلطانہ نے اپنی بات کرتے ہوئے کہا کہ حقوق آفاقی ہوتے ہیں ۔ یہ دئے نہیں جاتے بلکہ ہر ایک کا حق ہوتے ہیں خواہ وہ کسی فرقے ، ذات یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔اہم بات یہ ہے کہ سب مل کر دیکھیں کہ ریاست سب کو برابر کے حقوق دے رہی ہے۔ریت نیٹ ورک کے ممبر حماد خالق نے فورم میں سوال اٹھایا کہ کسی بھی سیاسی جماعت کے منشور میں مذہبی اقلیتوں کے تحفظ اور ترویج کی بات کیوں موجود نہیں۔کیونکہ کبھی بھی ان کی ترجیح یہ مذہبی اقلیتیں نہیں رہیں۔اس فورم میں نریش چند، جنیفر جیگ جیون، شہزاد احمد، پروفیسر مہرداد، روبینہ بھٹی، ہارون حسین، مکیش، شازیہ اشفاق، نگہت پروین، ارشد گل، طارق کرسٹوفر قیصر، عامرہ خان، ثریا جتوئی، خالدہ منصور، شہناز سلیم ملک، رانا محمد افضل خان، عاصم ملک اور وسیم اکرم نے بھی اظہار خیال کیا۔

> "نصاب کو درست کئے بغیر اقلیتوں کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔کیونکہ خرابی کی جڑیں نصاب میں ہی ہیں جہاں دیگر مذاہب کے لئے نفرت آمیز مواد شامل کیا گیا ہے۔ ہندو مذہب کے بارے میں گمراہ کن باتیں نصاب کا حصہ بنائی گئی ہیں کہ ہندو کافر ہیں اور یہ لڑکیوں کو زندہ دفنا دیتے ہیں۔میں سمجھتا ہو کہ مذاہب کا مطالعہ کئے بغیر ایسی باتیں پھیلانا سراسر زیادتی ہے۔ہمیں یہ بات باور کر لینی چاہئے کہ ہر مذہب امن کا درس دیتا ہے اور شر انگیزی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے"۔ پنڈت چمن لعل

اداریہ

"ریت" نیٹ ورک مذہبی آزادیوں کے لئے آواز بلند کر رہا ہے

پاکستان میں بسنے والی مذہبی اقلیتیں پچھلی کئی دہائیوں سے خوف وہراس کی فضا میں رہ رہی ہیں اور یہ صورتحال کسی طرح بھی بدلتی نظر نہیں آ رہی ہے۔ ملک کے زیادہ تر حصوں میں اقلیتوں کو امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ تشویشناک بات یہ ہے کہ ان کا ایک باقاعدہ منظم طریقے سے استحصال کیا جا رہا ہے۔ یہ اقلیتیں مسلسل خوف وہراس کی فضا میں سانس لے رہی ہیں اور خاص طور پر انکے مذہبی اور بنیادی حقوق جیسا کہ آزادی اظہار، اجتماع کی آزادی، یونین سازی کی آزادی اور خیالات کی آزادی پر قدغن لگائی جا رہی ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کے فروغ اور تحفظ کے لیے بیس سے زائد غیر سرکاری تنظیموں نے کوئی ایک برس قبل ''رِیت'' کے نام سے ایک نیٹ ورک بنایا۔ انگریزی میں اس کو REAT-Right to Expression, Assembly and Thought یعنی اظہار، اجتماع اور فکر وسوچ کی آزادی کا نام دیا گیا۔ ساؤتھ ایشیا پارٹنرشپ۔ پاکستان بھی اس نیٹ ورک کا حصہ ہے۔ اس نیٹ ورک کے قیام کا مقصد ان حقوق کے لیے کام کرنے والی ہم خیال تنظیموں کو ایک پلیٹ فارم فراہم کرنا تھا جہاں سے وہ مذہبی آزادیوں کے لیے آواز بلند کر سکیں۔ ساؤتھ ایشیا پارٹنرشپ کے زیر اہتمام ''چانن'' کے نام سے ایک ماہنامہ جریدہ کئی برسوں سے شائع ہو رہا ہے۔ ''ریت'' کے قیام کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ سہ ماہی بنیادوں پر ''چانن'' کو ''رِیت'' نمبر کے طور پر شائع کیا جائے گا جس میں نیٹ ورک کے زیر اہتمام کی جانے والی سرگرمیوں کو اجاگر کیا جائے گا۔ زیر نظر شمارہ اس سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔

اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے جناح کے نظریے سے انحراف کیا گیا

تحریر: محمد اکرم

پاکستان میں اقلیتوں کے حوالے سے یہ عمومی تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ زیر عتاب ہیں یا حملوں کی زد میں ہیں۔ زیر نظر رپورٹ میں مسلم اور غیر مسلم اقلیتوں سے متعلق پاکستان میں موجود پالیسیوں کا جامع تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ چونکہ پاکستان کی آبادی کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل ہے اس تناظر میں جہاں ایک طرف یہ معلوم کیا جانا نہایت اہم بات ہے کہ پاکستان اپنی اقلیتی آبادی سے کیسا سلوک کرتا ہے؟ وہاں غیر ریاستی عناصر یا انتہا پسند گروپوں کے کردار کا پتہ چلانا بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ پاکستان میں اقلیتوں کے خلاف تشدد کے حالیہ واقعات نے ایک ایسے ملک میں جو دنیا میں مسلم مذہبی ملک کی حیثیت سے شناخت رکھتا ہے، اقلیتوں کو درپیش خطرات کی طرف پھر سے توجہ مبذول کرائی ہے۔ جب 1947ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا تھا تو اس کے سیکولر بانیان جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کیلئے الگ وطن قائم کرنے کے خواہاں تھے اور کوئی اسلامی ریاست بنانے کے ہرگز متمنی نہیں تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے دوٹوک انداز میں واضح کیا کہ نئے ملک میں پاکستان میں غیر مسلموں کو بھی یکساں حقوق حاصل ہوں گے، تاہم پاکستان بننے کے بعد حالات یکسر مختلف ثابت ہوئے۔ 1947 میں تقسیم کے وقت پاکستان کی تقریباً 23 فیصد آبادی غیر مسلم شہریوں پر مشتمل تھی۔ آج سرکاری اعداد وشمار کے مطابق یہ تعداد بتدریج کم ہو کر 3 فیصد رہ گئی ہے۔ البتہ اقلیتیں ان اعداد وشمار سے اتفاق نہیں کرتیں اور اپنی آبادی 6 فیصد ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ حالیہ برسوں میں خود مسلمانوں کے اندر فرقہ وارانہ تقسیم سنگین مسئلہ بن کر اُبھری ہے۔ پاکستان کی کل آبادی کا 23 تا 25 فیصد شیعہ مسلمان، ریاستی سطح پر غیر مسلم قرار دیئے گئے احمدی، اسی طرح عیسائی، ہندو اور سکھ جیسی غیر مسلم اقلیتیں نہ صرف اپنے اہل علاقہ کی طرف سے خودکش حملوں کا نشانہ بنے ہیں بلکہ انہیں ان کی مرضی کے خلاف اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور ان کے گھروں اور عبادتگاہوں کو دوران عبادت بھی حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔ یہاں تک کہ عیسائیوں اور احمدیوں کے قبرستانوں تک کو نہیں بخشا گیا۔ ذرائع ابلاغ اور مختلف کمیونٹی رپورٹوں میں مسلسل ایسی اطلاعات دی جاتی ہیں کہ قبریں کھود کر مردوں کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ سندھ اور بلوچستان میں دولتمند ہندو اغواء برائے تاوان کی وارداتوں کا بڑا ہدف رہے ہیں۔ اقلیتی مسلمانوں اور غیر مسلموں پر ان سوچے سمجھے حملوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے اور یہ جرائم بتدریج وحشیانہ بن گئے ہیں۔ توہینِ (رسالت) مذہب کے ملزموں کو بسا اوقات دوران حراست ہلاک کر دیا گیا یا پولیس سٹیشن کے باہر زندہ جلا دیا گیا جبکہ کسی ملزم کی شناخت ہوئی نہ کسی کو سزا دی گئی۔

جناح کا وژن

پاکستان کا آغاز مختلف طریقے سے ہوا۔ اپنے سیکولر نظریات کا اظہار کرتے ہوئے مسٹر جناح نے پہلی کابینہ میں ایک ہندو، کئی شیعہ افراد اور ایک احمدی رہنما کو شامل کیا۔ اب کابینہ کی سطح پر غیر مسلموں کی نمائندگی علامتی ہے جبکہ اہل تشیع اور احمدیوں کو سنی مسلمانوں کے ایک حلقے کی طرف سے نفرت انگیز مہم کا سامنا ہے، جو ان دونوں اقلیتوں کو غیر مسلم قرار دیتے ہیں۔ پاکستان کا تصور ایک ایسے روشن خیال، جمہوری اور رواداری پر مبنی معاشرے کے طور پر پیش کیا گیا جہاں مسلمانوں کی اکثریت برقرار رکھتے ہوئے غیر مسلم شہریوں کو یکساں حقوق حاصل ہوتے۔ پاکستان کو سیکولر ملک قرار دیئے بغیر محمد علی جناح اور ان کے جدت پسند مسلمان ساتھی یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان جلد اپنے سماجی ومعاشی حالات بہتر بنا لے گا اور یہ تمام عقائد اور نظریات کے حامل افراد بدستور یکساں شہریوں کی طرح مساوی حقوق کے تحت اپنی زندگی بسر کرتے رہیں گے۔ قائداعظم نے آئین ساز اسمبلی میں اپنی 11 اگست 1947ء کی تقریر جس کا اکثر حوالہ دیا جاتا ہے میں کہا کہ: ''میں اس بات پر بہت زیادہ زور نہیں دے سکتا۔ ہمیں پورے جوش وجذبے سے کام کا آغاز کرنا چاہیے اور وقت گزرنے کے ساتھ اکثریت اور اقلیت، ہندو اور مسلم کی یہ بحث دم توڑ جائے گی کیونکہ جہاں مسلمانوں میں پٹھان، پنجابی، شیعہ، سنی وغیرہ ہیں تو ہندوؤں میں برہمن، ویشنو، کھتری ہیں۔ اس کے علاوہ بنگالی اور مدراسی کی بحث موجود ہے۔ آپ مملکت پاکستان میں آزاد ہیں۔ آپ اپنے مندروں میں جانے کیلئے آزاد ہیں، مسجدوں میں جانے کے لے آزاد ہیں یا کسی بھی عبادت گاہ پر بلا روک ٹوک جا سکتے ہیں۔ آپ کا تعلق کسی بھی مذہب، ذات یا مکتبہ فکر سے ہے اس کا ریاستی امور سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم ایسے دور کا آغاز کر رہے ہیں جہاں کسی گروہ کے درمیان کوئی امتیاز ہوگا نہ کوئی تفریق ہوگی۔ کسی ذات یا مکتبہءفکر میں کوئی تفریق نہیں ہوگی۔ ہم اس بنیادی اصول کے ساتھ اپنی شروعات کر رہے ہیں کہ ہم سب شہری ہیں اور ایک ریاست میں یکساں اہمیت رکھتے ہیں... اب میرے خیال میں ہم سب کو یہ بات ایک معیار کے طور پر مدنظر رکھنا ہوگی اور ایک وقت آئے گا کہ ہندو خود کو ہندو اور مسلمان خود کو مسلمان نہیں سمجھے گا، مذہبی حوالے سے نہیں بلکہ سیاسی حوالے سے اور خود کو صرف ریاست کا شہری سمجھے گا کیونکہ مذہب کسی فرد کا انفرادی معاملہ ہوتا ہے...''۔

جناح کے نظریے سے انحراف کی بنیاد:

جیسا کہ آغاز میں تصور کیا گیا کہ پاکستان میں مسلمانوں کے کسی فرقے کے درمیان امتیاز برتنے کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا اور غیر مسلم اقلیتوں کو بھی بطور شہری یکساں حقوق فراہم کرنے کا یقین دلایا گیا۔ تاہم گذشتہ کئی عشروں کے دوران صورتحال بدل چکی ہے۔ پاکستان کے بانی رہنما ذاتی خیالات میں جدت پسند اور لبرل تھے لیکن اس حقیقت کے برعکس پاکستان میں آج بھی اسلام پسندی کا غلبہ ہے۔ 1946ء کی انتخابی مہم میں آزادی کے حصول اور پاکستانی قوم کی شناخت کیلئے اسلام اور اسلامی نعروں کے استعمال سے ایسی صورتحال پیدا ہوئی جس میں آہستہ آہستہ اسلام پسندوں کیلئے جگہ پیدا ہوگئی۔ پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں 1950 کی دہائی کے دوران 1956 کے آئین کی تیاری سے پہلے ہونے والی بحث میں اسمبلی میں موجود اسلام پسندوں کے اس مطالبے پر کافی توجہ مرکوز کی گئی کہ ملک کو اسلامی ریاست قرار دیا جائے۔ حکومت کے اندر اور باہر ایسے علماء موجود تھے جنہوں نے اس مطالبے کی داغ بیل ڈالی۔ سرکاری سطح پر اسلامی ریاست کا نعرہ جمیعت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا شبیر احمد عثمانی، شمال مغربی سرحدی صوبہ (خیبر پختونخواہ) سے تعلق رکھنے والے پیر صاحب مانکی شریف اور مسلم لیگ مشرقی پاکستان کے صدر مولانا اکرم خان نے لگایا۔ پاکستان کو اسلامی ریاست میں تبدیل کرنے کا باقاعدہ نقشہ کھینچنے اور اس ضمن میں دلائل دینے کا 'بیڑا' عرب مسلمانوں کی اسلام پسند تنظیم اخوان المسلمین کی جنوبی ایشیاء میں برادر جماعت اسلامی کے سربراہ ابوالاعلیٰ مؤدودی نے اٹھایا۔ مؤدودی کے مطابق پاکستان کا مستقبل کا دستور ان بنیادی اصولوں پر استوار ہونا چاہیئے کہ حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور یہ کہ ریاست کا کام محض ملک کا انتظام چلانا ہے۔ مولانا کے نزدیک شریعہ قانون ارضی ہے اور انسان کا بنایا کوئی قانون شریعت سے متصادم نہیں ہو سکتا۔

1949ء کی قرارداد مقاصد:

مؤدودی کے مؤقف کی اثر پذیری 1949ء میں سامنے آئی جب آئین ساز اسمبلی نے قرارداد مقاصد منظور کی جس میں پاکستان کے دستور کیلئے بنیادی اُصولوں کا تعین کیا گیا۔ قرارداد میں کہا گیا:

1: حاکمیت اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جو اسے عوام کے ذریعے ریاست پاکستان کو تفویض کرتا ہے تاکہ وہ اللہ کی مقدس امانت سمجھتے ہوئے اس کی بتائی حدود کے اندر ان اختیارات کا استعمال کرے۔

2: ریاست عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے اپنے اختیارات اور حاکمیت کا استعمال کرے گی۔

3: جمہوریت، آزادی، مساوات، برداشت اور سماجی انصاف کے اصولوں پر مکمل عمل کیا جائے گا۔

4: مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن اور سنت کی تعلیمات سے ہم آہنگ بنائیں۔

5: اقلیتوں کو اپنے مذہب کی ترویج اور اس پر آزادانہ عمل کرنے اور ان کے ثقافت کے فروغ کیلئے مناسب اقدامات کئے جائیں گے۔

6: پاکستان ایک وفاق ہوگا۔

7: بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے گی۔

8: عدلیہ آزاد ہوگی۔

غیر مسلم سیاستدانوں نے ریاستی پالیسی کو 'اسلام کی تعلیمات اور تقاضوں'' سے ہم آہنگ بنانے کے خیال پر اعتراض کیا جس میں وہ حق بجانب تھے کہ اس پر مزید بحث اور تبدیلی کی گنجائش ہونی چاہئے۔ مشرقی بنگال کے ہندو سیاستدان بھوپندر کمار دت نے خبردار کیا کہ اس قرارداد کے نتیجے میں غیر مسلموں کے خلاف امتیازی سلوک کی راہ ہموار ہوگی جبکہ مسلمانوں کے اندر بھی کھینچا تانی شروع ہو جائے گی۔ بھوپندر دت نے دلیل دی کہ سیاست عقلیت پسندی کے دائرے کے اندر آتی ہے جبکہ مذہب عقیدے کا نام ہے۔ اگر مذہب اور سیاست باہم گڈمڈ کر دیئے گئے تو مذہب پر تنقید کا خدشہ ہے اور پھر اسے بجا طور پر اس کی تقدیس کی خلاف ورزی کے طور پر پیش کیا جائیگا۔ اس کے علاوہ جہاں تک ریاستی پالیسی کا تعلق ہے تو یہ عقلیت پسندی کو بھی مفلوج کرے گا اور تنقید کا راستہ بھی روکے گا۔ ان اعتراضات کے جواب میں قرارداد مقاصد کے محرک اور وزیراعظم لیاقت علی خان نے کہا کہ ''پاکستان اس لئے بنایا گیا کیونکہ مسلمانانِ برصغیر اسلام کی تعلیمات اور روایات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ وزیراعظم، جو ایک سیکولر انسان تھے، انہوں نے قرارداد کی منظوری کو ''آزادی کے بعد ملک کی تاریخ کا اہم ترین لمحہ'' قرار دیا۔ یوں جب پاکستان کی وجہ بقا (raison d'être) کو مذہبی رنگ دے دیا گیا تو اسلام پسندوں کے مطالبات کے آگے بند باندھنا ممکن نہ رہا۔ مؤدودی اور ان کے ہمنوا اسلام پسندوں نے کہا کہ کوئی بھی مسلمان ایک اسلامی ریاست کا شہری بننے میں آزاد ہے چاہے وہ دنیا کے کسی حصے میں پیدا ہوا ہو۔ البتہ غیر مسلموں کو اسلامی ریاست کے قوانین کا تابع ہونا پڑے گا۔ مؤدودی کے نکتہءنظر کے مطابق غیر اسلامی ثقافت کا مسلمان طرز زندگی پر منفی اثر پڑتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''اس سے مسلمانوں کی زندگی کی روح تباہ، بصیرت متاثر ہوتی ہے، اہم علمی شعبے دھندلا جاتے ہیں، احساس کمتری کو بڑھاوا ملتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کی ثقافت کی تمام توانائی سلب ہو جاتی ہے، جو اس کی موت کا سبب بنتی ہے''۔ انہوں نے کہا کہ ''حضور اکرم ﷺ نے مثبت اور بھرپور انداز میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کی تہذیب اپنانے سے منع کیا ہے''۔ وقت گزرنے کے ساتھ اسلام پسندوں کی طرف سے ''غیر مسلم ثقافت'' مسترد کرنے کی پالیسی نے محدود ''مسلم'' ثقافت وضع کرنے کی شکل اختیار کر لی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں ہی کی تنوع اختیار کرنے کی آزادی محدود ہوگئی۔ جہاں غیر مسلموں کو بڑی آسانی سے ''دیگر'' قرار دیا گیا وہاں یہ واضح کرنے کی دوڑ بھی شروع ہوگئی کہ مسلمانوں میں کون حقیقی مسلمان ہے اور کس نے فارسی یا ہندوستانی ثقافت یا روایات اپنائی ہیں۔ اسی طرح پاکستان کے دستور میں ترمیم کرتے ہوئے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ سعودی عرب کی سلفی تحریک سے متاثر ہو کر اسی طرز کی مہم دیوبندی گروپ نے اہل تشیع کے خلاف چلائی۔ دیوبندی تحریک کے ایک شدت پسند دھڑے (تکفیری گروہ جو مسلمانوں کے بعض فرقوں کو کافر قرار دیتا ہے) نے اہل تشیع کے خلاف پرتشدد اقدامات کافی تیز کر دیئے ہیں۔ اس دھڑے کی کوشش ہے کہ شیعوں کو یا تو ملک سے نکال باہر کر دیا جائے یا پھر ایک اسلامائز ڈ پاکستان میں ان کا مقام اور درجہ کم ہو۔ مرد، عورتیں اور بچے ان کا نشانہ رہے ہیں۔ آج اہل تشیع پاکستان کی کل آبادی کا تقریباً 20 فیصد جبکہ احمدی 0.22 فیصد ہیں۔ اقلیتوں پر حملوں کا آغاز 1950 کے عشرے کے اوائل میں ہوا جب احمدیوں کے خلاف مظاہرے ہوئے اور ہنگامے پھوٹ پڑے۔ اس احتجاج کا نتیجہ 1974ء میں آئینی ترمیم کی صورت میں نکلا جس کے تحت احمدیوں کے ساتھ مسلمانوں والا مزید کوئی برتاؤ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ البتہ فرقہ واریت کی موجودہ لہر کی جڑیں 1980ء کی دہائی سے ملتی ہیں۔

پاکستانی معاشرے کی اسلامائزیشن:

پاکستان میں فرقہ واریت کا آغاز 'شہری مظہر' (urban phenomenon) کے طور پر ہوا۔ البتہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی ہیئت بدل کر رہ گئی۔ سماجی معاشی عوامل، ریاست کی سرپرستی میں اسلامائزیشن کے عمل اور بین الاقوامی واقعات (جیسا کہ انقلاب ایران) نے شیعہ سنی کشیدگی بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان کے تیسرے فوجی حکمران جنرل ضیاالحق 1977-88 تک برسراقتدار رہے انہوں نے ریاست کی سرپرستی میں اسلامائزیشن کے عمل کی پالیسی اپنائی۔ جنرل ضیاء کے دور تک مؤدودی کی طرح زیادہ تر اسلام پسندوں کی یہ سوچ تھی کہ ہر اچھے مسلمان کو ووٹ دے کر اسلامی پارٹی کو اقتدار میں لانے اور اسلامی ریاست کے قیام میں کردار ادا کرنا چاہیئے۔ 1970 کی دہائی تک یہ بات اظہر من الشمس ہو چکی تھی کہ پاکستانی عوام نے دیگر ملکوں کی طرح روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگانے والی جماعتوں کو پذیرائی بخشی۔ اس کا نتیجہ ملائشیا اور پاکستان جیسے ملکوں میں ہر سطح پر 'اسلامائزیشن' کی صورت میں نکلا۔ اس اسلامائزیشن کے حصے کے طور پر جنرل ضیاالحق نے ایسے ضابطے اور قاعدے متعارف کرائے جن کا مقصد پاکستانی قانون کو شریعت یا پھر کم ازکم ضیاالحق اور ان کے رفقاء کی تشریح کردہ شریعت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ بنانا تھا۔ توہینِ مذہب کے قانون سمیت ان قوانین کے پاکستانی اقلیتوں پر دورس اثرات مرتب ہوئے۔ ملک کو ایک مکتبہ فکر کے اسلام پر منظم کرنے کی کوشش میں جنرل ضیاء کی پالیسیوں سے شیعہ مسلمانوں میں عدم تحفظ کی لہر دوڑ گئی۔ 1979 میں جنرل ضیاء نے ایک ایسی پالیسی نافذ کرنے کی کوشش کی جس کے تحت ہر مسلمان سے براہ راست حکومت زکوۃ جمع کرتی۔ شیعہ تنظیموں کے احتجاج پر ضیاالحق نے پالیسی تبدیل کر لی اور صرف سنی مسلمانوں پر زکوۃ دینا لازمی قرار دیا گیا۔ اس عمل سے سنی بنیاد پرست تنظیموں اور ان کی عسکری شاخوں اور اس کے نتیجے میں شیعہ عسکریت پسند تنظیموں کے سر اٹھانے کی راہ ہموار ہوئی۔ پاکستانی اہل تشیع کا تعلق مختلف لسانی، نسلی گروہوں اور مختلف قبیلوں سے ہے۔ یہ پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ متعدد ممتاز سیاستدانوں، پروفیشنلز، ماہرین تعلیم اور میڈیا شخصیات کا تعلق شیعہ کمیونٹی سے ہے۔ اس کے باوجود اس کمیونٹی کو نہ صرف امتیازی سلوک کا سامنا ہے بلکہ کئی قسم کے بنیاد پرست گروپوں نے اس پر حملے بھی کیئے۔ شیعہ مخالف ان سنی عسکریت پسند گروپوں کی قدر مشترک ان کا مذہبی عقیدہ ہے۔ شیعہ مخالف عسکریت پسند آزادی سے پھرتے ہیں، ٹی وی کے ٹاک شوز پر نظر آتے ہیں اور سیاسی ریلیاں نکالتے ہیں جن میں وہ شیعوں کو کافر اور واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ ان گروپوں کے سیاسی جماعتوں کے ساتھ رابطے ہیں اور وہی انہیں تحفظ اور سیاسی اثر ورسوخ فراہم کرتی ہیں۔ ان لوگوں کو عوامی سطح پر اپنے 'کارناموں' کا برملا اعتراف کرنے کے باوجود شاذونادر ہی گرفتار کیا گیا۔ جیسا کے بلوچستان کے ہزارہ شیعوں کا بار بار قتل عام۔ جب کبھی عسکریت پسند پکڑے جاتے ہیں تو انہیں جیلوں میں موبائل فون اور مہمانوں تک بلا روک ٹوک رسائی حاصل ہوتی ہے اور اکثر گرفتاری کے فوراً بعد انہیں رہا کر دیا جاتا ہے۔ جن چند افراد کا ٹرائل کیا گیا انہیں عدالتوں نے 'ناکافی ثبوت' کی بناء پر بری کر دیا۔ 1980ء کے روس مخالف افغان جہاد کے باعث نہ صرف افغانستان میں کئی گروپوں کو تقویت ملی بلکہ پاکستان پر بھی اس کے شدید اثرات مرتب ہوئے۔ سعودی عرب اور دیگر خلیجی ممالک سے پیسوں کا سیلاب آیا اور پاکستان بھر میں مدرسوں میں رقوم تقسیم کی گئیں اور مدارس کے درسی نصاب کو وہابی رنگ دیا گیا۔ (برصغیر میں اہل حدیث مکتبہ فکر کو وہابی قرار دیا جاتا ہے)۔ صرف مذہبی مدرسوں کے تدریسی نصاب میں ہی نہیں بلکہ سیکولر تعلیمی اداروں کے کورس میں بھی تبدیلیاں کی گئیں۔ اس دور میں پبلک سکولوں میں پڑھنے والی پاکستان کی تمام نسل اس خیال کے ساتھ جوان ہوئی کہ نہ صرف غیر مسلم اقلیتیں بلکہ مسلمان اقلیتیں 'غیر اہم' ہیں، یا 'محب وطن' نہیں یا 'پوری طرح' مسلمان نہیں۔ ان اسلام پسند گروپوں کو ریاست کے طاقتور عناصر نے بھی اپنی خارجہ یا دفاعی پالیسی کے ایجنڈے کی تکمیل کیلئے استعمال کیا۔ 1971ء میں مشرقی پاکستان میں جماعت اسلامی ونگ نے مسلمان اور غیر مسلم دونوں قسم کے شہریوں کے خلاف کریک ڈاؤن میں مدد فراہم کی۔ بنگالی مسلمانوں کو اس طرح پیش کیا گیا کہ وہ "اس حد تک ہندو" ہیں کہ سچے مسلمان نہیں ہو سکتے۔ ملٹری انٹیلی جنس کے اثر ورسوخ کے تحت بھارت اور افغانستان میں بھی اسلام پسند گروپ اپنے ہم فرقہ بھائیوں کے انہی نظریاتی مقاصد پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے باعث گذشتہ 65 برسوں سے پاکستان میں مذہبی رواداری میں تیزی سے کمی دیکھنے میں آئی ہے۔ 1947 میں تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے وقت نئے ملک میں اقلیتوں کی آبادی 25 فیصد تھی لیکن آج یہ شرح صرف 5 فیصد ہے۔ پاکستان میں ہونے والی 1998 کی آخری مردم شماری کے مطابق عیسائی پاکستان کی کل آبادی کا 1.59 فیصد جبکہ ہندو 1.60 فیصد ہیں۔ اگرچہ آبادی کا زیادہ تر صفایا' بڑے واقعات (تقسیم ہند، 1965 اور 1971 کی جنگوں) میں ہوا لیکن گزشتہ ایک عشرے سے ہندو اور عیسائی آبادی پر حملوں کے واقعات میں ہونے والا اضافہ بھی نقل مکانی کا باعث بنا ہے۔ چھوٹی اور مسلسل سکڑتی ہندو اقلیت کے خلاف جبری تبدیلیٔ مذہب اور اغواٗ یا اغواٗ برائے تاوان کے واقعات تیزی سے بڑھے ہیں۔ حالیہ چند برسوں میں ہمسایہ ملک بھارت نقل مکانی کرنے یا سیاسی پناہ لینے میں نمایاں تیزی آئی ہے۔ جبری مذہب تبدیل کرنے کا ایک مشہور واقعہ جس نے میڈیا کی بھرپور توجہ حاصل کی وہ رنکل کماری کا ہے۔ اسے حکمران پارٹی کے رکن اسمبلی کی شہہ پر اغواٗ کر کے زبردستی مذہب تبدیل کرنے اور شادی پر مجبور کیا گیا۔ یہ اس نوعیت کی ایک مثال ہے ورنہ ایشین ہیومن رائٹس واچ کی ایک رپورٹ کے مطابق صوبہ سندھ میں ہر ماہ 20 سے 25 ہندو لڑکیوں کے اغواٗ اور جبری شادی کے واقعات رونما ہوتے ہیں (بقیہ: صفحہ 6)

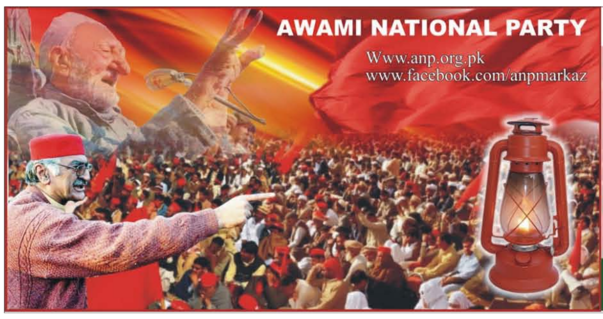

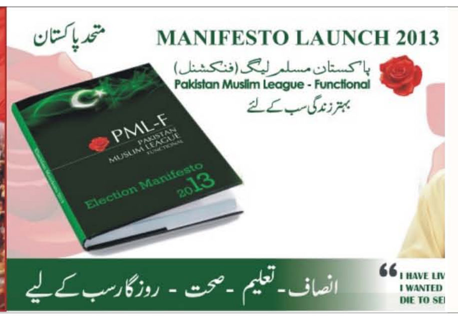

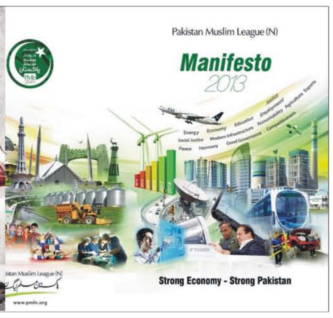

اقلیتوں کے لئے سیاسی جماعتوں کے انتخابی منشوروں اور ان کا تجزیہ

اس رپورٹ میں پاکستان کی 6 بڑی سیاسی جماعتوں کی انتخابی طاقت، پارلیمنٹ، صوبائی اسمبلیوں میں نمائندگی اور مختلف فرقہ وارانہ اور مذہبی گروپوں پر انکے اثر ورسوخ کی روشنی میں گذشتہ عام انتخابات 2013ء کے ان کے منشور میں اقلیتی آبادی کو دی گئی اہمیت کا جائزہ لیا گیا ہے

تحریر: محمد اکرم

انتخابی معاملات میں قانون کے تحت مذہبی اقلیتوں کے ارکان کو حاصل مساوی حیثیت 11 مئی 2013 کے عام انتخابات میں مہیا نہیں کی گئی۔ پاکستان انسانی حقوق کمیشن کی رپورٹ بعنوان ''انتخابات میں مذہبی اقلیتیں: قانون کی نظر میں مساوی، عملاً عنقا'' کے مطابق ایسے حلقوں میں جہاں اقلیتوں کا بڑا ووٹ بنک تھا وہاں انتخابی ضوابط کی سنگین خلاف ورزیاں کی گئیں۔ مذہبی اقلیتوں نے 2002 میں احمدیوں کے سوا دیگر اقلیتوں کیلئے ''مشترکہ طرز انتخاب کی بحالی'' پر مایوسی جبکہ بعض نے تحفظات کا اظہار کیا۔ رپورٹ میں یہ لکھتے ہوئے کہ انتخابی حقوق کی خلاف ورزی جمہوریت کیلئے نیک شگون نہیں، اقلیتوں کی مساوی شرکت یقینی بنانے کیلئے ٹھوس اقدامات اٹھانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ ''حکومت، الیکشن کمیشن اور بڑی جماعتوں کی طرف سے ٹھوس اقدامات کئے بغیر مشترکہ انتخابی نظام کے مکمل ثمرات حاصل نہیں کئے جاسکتے''۔ اسی رپورٹ میں یہ کہا گیا ہے کہ بڑی سیاسی جماعتوں کی حمایت کے بغیر اقلیتیں مرکزی دھارے میں شامل نہیں ہوسکتیں۔ رپورٹ میں اس بات کی تصدیق کی گئی کہ سندھ میں غریب اور محروم مذہبی اقلیتیں ان بالادست وڈیروں کے حکم کی سرتابی نہیں کرسکتیں جن پر وہ سماجی طور پر انحصار کرتی ہیں۔ تقریباً تمام اقلیتی امیدواروں نے یہ شکایت کی کہ کاغذات نامزدگی جمع کراتے وقت ریٹرننگ افسروں نے ان سے وہ سوالات کئے جو ان کے عقیدے کے لحاظ سے حقارت آمیز تھے۔ درحقیقت سیاسی جماعتوں کا اقلیتی برادریوں کے مساوی حقوق کے فروغ میں مرکزی کردار ہے۔ ایک طرف تو سیاسی جماعتیں مخصوص نشستوں پر اقلیتی ارکان کی نامزدگی کے ذریعے پارلیمنٹ میں اپنی تعداد بڑھانے کی خواہاں ہیں تو دوسری طرف وہ عام نشستوں پر اقلیتی امیدوار سامنے لانے میں ہچکچاہٹ کا شکار ہوتی ہیں۔

منشور ہائے کے نفاذ کا ایک تجزیہ

جمہوری سیاسی عمل رواں دواں رکھنے کیلئے سیاسی جماعتیں بنیادی ڈھانچہ ہیں۔ کسی سیاسی جماعت کی انتخابی مہم کو ایک تحریری پلیٹ فارم سے تقویت اور حمایت ملتی ہے جسے منشور کہتے ہیں۔ منشور میں ملک کیلئے سیاسی جماعت کے وژن کا پتہ چلتا ہے اور اس میں ایسی پالیسیوں کی فہرست شامل ہوتی ہے جو برسراقتدار آنے کی صورت میں نافذ کی جاتی ہیں۔ منشور ایک اہم دستاویز ہوتا ہے جو ووٹر کو اپنا ووٹ ڈالنے کے لئے فیصلہ کرنے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ پارٹی منشور ہائے مسابقتی انتخابی عمل اور شہریوں کی اس عمل میں شرکت کے لئے مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ پاکستان کی سیاسی روایت کے مطابق منشور ہائے ووٹروں کو متوجہ کرنے کیلئے دعوؤں اور نعروں پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں منشور کا مکمل نفاذ ایک مشکل امر بن جاتا ہے۔ سیاسی جماعتوں کے اندر پالیسی سازی کے عمل اور ان کے منشور کے نفاذ کے لحاظ سے ابھی کافی کچھ کرنا باقی ہے۔

اقلیتی حقوق پر پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرینز کا منشور:

پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرینز کے انتخابی منشور میں اقلیتوں کے حقوق سے متعلق درج ذیل نکات شامل ہیں:

1: مثبت قانون سازی اور پالیسی اصلاحات کے ذریعے مساوی مواقع کی فراہمی۔

2: جبری تبدیلیٔ مذہب کی روک تھام کے حوالے سے قانون میں خصوصی شقوں کی شمولیت کیلئے اتفاق رائے پیدا کرنا۔

3: پرائمری اور ہائی سکولوں کے نصاب میں قائداعظم کی 11 اگست 1947 کی وہ تقریر شامل کرانا جو ملک میں مذہبی رواداری کیلئے مشعلِ راہ ہے۔

4: ملک کے بہترین مذہبی سکالروں کی معاونت سے بین العقائد ہم آہنگی کو مزید مضبوط بنانا۔

5: مذہبی عبادتگاہوں اور املاک کو مؤثر سکیورٹی، تزئین و آرائش، تعمیرنو اور توسیع کے ذریعے بہتر بنانا۔

6: اگرچہ تشدد کے ذریعے ہونے والے انسانی جانوں اور املاک کے ضیاع کا مکمل ازالہ تو ممکن نہیں تاہم متاثرہ اثاثہ جات، آمدنی اور مواقع کیلئے مناسب ازالہ ضرور کیا جائے گا۔

7: اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ مساوات کمیشن اقلیتوں، معذوروں اور محروم طبقے کیلئے مخصوص ملازمتوں کے کوٹے پر عملدرآمد کررہا ہے۔

8: اسلام آباد میں اقلیتوں کیلئے ایک اور مخصوص نشست کا اضافہ کیا جائے گا۔

9: قومی کمیشن برائے اقلیتی برادری کی قانونی ادارے کے طور پر بحالی اور تنظیم نو کی جائے گی تاکہ وہ نہ صرف باقاعدگی سے اجلاس منعقد کرے بلکہ اسے مناسب بجٹ اور سیکرٹریٹ بھی فراہم کیا جائے گا۔ کمیشن کے ارکان میں اقلیتی اور محروم طبقے کے افراد شامل ہوں گے۔

10: اقلیتی امور پر پارلیمنٹ کی دونوں قائمہ کمیٹیوں سے آئین کی ان شقوں پر نظرثانی جن میں اقلیتوں سے امتیازی سلوک ہوتا ہے، مشاورت طلب کی جائے گی۔

11: تمام تعلیمی اداروں میں طلبا سے مذہب کی بنیاد پر امتیازی سلوک کی روک تھام اور اس ضمن میں شکایات کے ازالے اور احتساب کیلئے میکنزم بنایا جائے گا۔

12: ایسے تعلیمی مواد اور درسی کتب کی حوصلہ افزائی جو مساوات کے فروغ کیلئے ممدومعاون ہوں، پر مبنی تعلیمی نصاب پرائمری اور ہائی سکولوں میں پڑھانے کے اقدامات کئے جائیں گے۔

13: عوامی آگاہی مہم کے ذریعے معاشرے میں مذہبی رواداری کی حوصلہ افزائی کی جائے گی اور ریاستی اداروں کو واضح اور غیر متزلزل پیغام دیا جائے گا کہ ایسے ریاستی عناصر اور ادارے جو تعصب، عدم برداشت اور امتیازی سلوک میں ملوث پائے گئے، ان کے خلاف کارروائی ہوگی۔

14: میڈیا ہاؤسز پر زور دیا جائے گا کہ وہ ایسا میکنزم وضع کریں جس کے تحت معاشرے کے کسی بھی طبقے خصوصاً مذہبی اقلیتوں کے خلاف اشتعال انگیز کارروائی کا شاخسانہ بننے والی غیر ذمہ دارانہ اور غلط رپورٹنگ کی حوصلہ شکنی ہو۔

15: اقلیتی امور پر رپورٹنگ کے حوالے سے میڈیا کی تربیت کیلئے آگاہی مہم چلائی جائے گی۔

پیپلز پارٹی کے اقلیتی حقوق پر وعدوں کا ایک تجزیہ:

پیپلز پارٹی کا منشور کہتا ہے کہ فوج، پولیس، انٹیلجنس ایجنسیوں، عدلیہ اور دفتر خارجہ جیسے ریاستی اداروں میں اقلیتوں کی ملازمت کا کوٹہ مقرر کیا جائے گا۔ اس جماعت نے اقلیتوں کیلئے مستقل اور خودمختار قومی کمیشن بنانے کا بھی اعلان کیا ہے جس کے پاس شکایت سننے اور ان کے فوری ازالے کے عدالتی اختیارات بھی ہوں۔ منشور میں ایسے قوانین پر نظرثانی کا بھی وعدہ کیا گیا ہے جو مذہبی اقلیتوں کے خلاف امتیاز کے حامل ہیں۔

حقیقت میں اقلیتوں کی زندگی، عبادتگاہوں اور املاک، ان کے سیاسی اور معاشی حقوق کے تحفظ کی جو ضمانت پیپلز پارٹی کے منشور میں دی گئی ہے وہ کسی بھی دوسری جماعت سے زیادہ اطمینان بخش ہے۔ ایک لبرل پارٹی کے طور پر مشہور جماعت ہونے کی بنا پر پیپلز پارٹی نے اقلیتوں کے تحفظ کی دوٹوک یقین دہانی کرائی ہے اور ان رویوں میں تبدیلی کیلئے اقدامات کا بھی وعدہ کیا ہے جن میں پاکستان میں اقلیتوں سے برتاؤ کیا جاتا ہے۔ پیپلز پارٹی نے اپنے منشور میں یقین دلایا ہے کہ وہ ایسا قانون متعارف کرائے گی جس کے تحت نہ صرف جبری تبدیلیٔ مذہب کی روک تھام ہو بلکہ مذہبی تشدد کے متاثرین کے نقصان کا ازالہ بھی ہو۔ اس جماعت کا قومی کمیشن برائے اقلیتی برادری کو بطور بااختیار ادارہ بحال کرنے کا وعدہ بھی لائق تحسین ہے۔ تاہم 2013 میں سندھ میں صوبائی حکومت قائم کرنے کے بعد ابھی تک کوئی ٹھوس اقدامات نہیں کئے گئے۔ سندھ اسمبلی میں واضح اکثریت اور اپوزیشن جماعت ایم کیو ایم کی حمایت کے باوجود ابھی تک جبری تبدیلیٔ مذہب کی روک تھام کیلئے قانون سازی میں کوئی پیشرفت نہیں کی گئی۔ تعلیم صوبائی معاملہ ہونے کے باوجود پرائمری اور سیکنڈری تعلیمی نصاب کو قائداعظم کی 11 اگست 1947 کی تقریر جو پیپلز پارٹی کے منشور کے مطابق ملک میں بین المذاہب ہم آہنگی کا روڈ میپ مہیا کرتی ہے، سے ہم آہنگ کرنے کیلئے کوئی پیشرفت نہیں کی گئی۔ اقتدار میں ہونے کے باوجود پیپلز پارٹی کا اپنے رہنماؤں سلمان تاثیر اور شہباز بھٹی کا دفاع کرنے کا ریکارڈ بھی مشکوک ہے۔

مسلم لیگ (ن) کا منشور برائے اقلیتی برادری

مسلم لیگ (ن) قائداعظم کے الفاظ میں اقلیتوں کو پاکستانی ریاست کا برابر کا شہری سمجھتی ہے اور تسلیم کرتی ہے کہ انہیں بلاتفریق رنگ ونسل، زبان اور صنف یکساں حقوق حاصل ہیں۔ پاکستان کے غیر مسلم شہریوں کو عبادت اور اپنے مذہب اور ثقافت پر عمل پیرا ہونے اور اس کی ترویج کی مکمل آزادی ہوگی۔ فی الوقت مسلم لیگ متحرک انداز میں اقلیتوں سے اظہار یکجہتی کرتی ہے اور ملکی تعمیر وترقی میں ان کا کردار تسلیم کرتی ہے۔ مسلم لیگ کثیر الثقافت معاشرے میں امن وہم آہنگی کے فروغ کی بھی علمبردار ہے۔ نواز لیگ کے منشور میں تحریک پاکستان اور پھر قیام پاکستان کے بعد ملک کی ترقی اور خوشحالی کیلئے اقلیتوں کا کردار تسلیم کیا گیا ہے۔

پاکستان مسلم لیگ (ن) مذہبی اقلیتوں کو بااختیار بنانے کیلئے درج ذیل ایشوز حل کرنے کے لئے پرعزم ہے۔

1: قانون توہینِ مذہب کا غلط استعمال روکنے کیلئے تمام ممکنہ اقدامات کئے جائیں گے اور غلط الزام لگانے والوں کو قانون کے تحت سزا دلائی جائے گی۔

2: جبری تبدیلیٔ مذہب روکنے کیلئے قانون کے تحت ضروری اقدامات کئے جائیں گے۔

3: اقلیتوں کے خانگی اور دیگر مسائل کے حل کیلئے تحفظ اقلیت بل متعارف کرایا جائے گا۔

4: تعلیمی نصاب ہائے سے نفرت انگیز مواد خارج کرایا جائے گا کیونکہ مسلمانوں اور دیگر مذہبی اقلیتوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں۔

5: تعلیمی اداروں، کام کی جگہوں اور کمیونٹی میں بین العقائد ہم آہنگی کیلئے ضروری اصلاحات اور اقدامات کئے جائیں گے۔

6: غیر مسلموں کو معاشی طور پر خودمختار بنانے کیلئے سرکاری ملازمتوں میں ان کے 5 فیصد کوٹے پر عملدرآمد کیا جائے گا۔

7: غیر مسلم امیدواروں کے عام نشستوں پر الیکشن لڑنے کو یقینی بنایا جائے گا۔

8: متروکہ وقف املاک کا چیئرمین کسی غیر مسلم کو تعینات کیا جائیگا اور اقلیتی برادری سے متعلق اداروں کا سربراہ بھی غیر مسلموں کو بنایا جائے گا۔

اقلیتی حقوق پر مسلم لیگ (ن) کے وعدوں کا ایک تجزیہ:

مسلم لیگ (ن) کے انتخابی منشور میں پاکستان کے اقلیتی گروپوں کے مفادات اور بنیادی حقوق کا تحفظ یقینی بنانے کا عزم کیا گیا ہے۔ منشور کے مطابق 'مذہبی امتیاز' کی شکایات پر غور کرنے کیلئے پارٹی ایک کمیشن تشکیل دے گی۔ کم آمدنی والے اقلیتی طلبا کو اعلیٰ تعلیم کے لئے وظائف دینے کا بھی وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ بھی عزم کیا گیا ہے کہ اقلیتوں کو ملک کے مرکزی دھارے میں متحرک کردار ادا کرنے کیلئے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔ اسی طرح جبری شادیوں کی روک تھام کیلئے قانون سازی اور اقلیتوں کی فلاح کیلئے فنڈ دگنا کرنے کا بھی یقین دلایا گیا ہے۔ (ن) لیگ نے وعدہ کیا کہ سرکاری تعلیمی اداروں اور محکموں میں اقلیتوں کیلئے کوٹہ مختص کیا جائے گا۔ مسلم لیگ (ن) مئی 2013 کے انتخابات میں حکومت میں آئی لیکن ابھی تک ووٹروں سے کئے گئے کسی وعدے پر پورا نہیں اتر سکی۔ ابھی تک اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کیلئے کوئی اقدام کیا گیا ہے نہ ملازمتوں میں 5 فیصد کوٹے پر عملدرآمد ہوسکا ہے۔ اس وقت مرکز اور پنجاب حکومت میں مسلم لیگ (ن) کو بھاری اکثریت حاصل ہے لیکن اس کے باوجود اقلیتوں سے متعلق سرکاری اداروں کا سربراہ کسی غیر مسلم کو لگانے کے ضمن میں کچھ نہیں کیا گیا۔ مسلم لیگ (ن) نے تاحال اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا بل بھی پارلیمنٹ میں پیش نہیں کیا حالانکہ مجوزہ بل کو کسی پارٹی کی مخالفت کا احتمال نہیں کیونکہ تمام جماعتوں نے مئی 2013 کے انتخابات میں کم وپیش ایسے ہی وعدے کئے ہیں۔ اس بل کی اہمیت اس تناظر میں بڑھ جاتی ہے کہ حال ہی میں لاڑکانہ اور حیدرآباد میں مقدس اوراق نذر آتش کرنے کے الزام میں ہندوؤں کی عبادتگاہوں پر مشتعل ہجوم نے حملے کئے۔ مسلم لیگ (ن) کے صدر اور وزیراعظم نے ایک سخت بیان میں سندھ حکومت کو ہدایت کی کہ وہ اقلیتوں اور ان کی عبادتگاہوں کا تحفظ یقینی بنائے۔ سانحہ لاڑکانہ کو مرکز میں مسلم لیگ (ن) کی حکومت اور سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت کا ضمیر جھنجھوڑنے کے طور پر لینا ہوگا اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے انتخابی وعدوں پر عملدرآمد شروع کرنا ہوگا۔

پاکستان تحریک انصاف کے منشور میں اقلیتوں کے حقوق کے نکات:

1: اقلیتوں کو قانون کے مطابق یکساں مواقع فراہم کئے جائیں گے اور آئین کے تحت انہیں اپنے عقیدے پر عملدرآمد کی آزادی ہوگی۔

2: کسی مذہبی اقلیت کے خلاف تشدد یا انہیں دھمکانے کو ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔

3: تحریک انصاف تمام ریاستی اداروں میں اقلیتوں کی جائز نمائندگی یقینی بنائے گی۔

4: پاکستان کے تمام شہریوں کو معاشی مواقع تک رسائی فراہم کی جائے گی۔

5: نفرت انگیز تقریروں اور مواد پر پابندی لگادی جائے گی۔

تحریکِ انصاف کے اقلیتی برادری کے حوالے سے منشور کا ایک تجزیہ:

تحریکِ انصاف دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا منشور اقلیتوں سمیت تمام طبقوں کے خلاف امتیازی سلوک روکنے کو یقینی بناتا ہے۔ مئی 2013 کے انتخابات کے بعد تحریکِ انصاف قومی سیاست میں اہم کھلاڑی کے طور پر ابھر کر سامنے آئی ہے۔ اس نے نہ صرف قومی اسمبلی میں کافی تعداد میں نشستیں حاصل کی ہیں بلکہ اپنی نظریاتی حلیف پارٹی جماعت اسلامی کی مدد سے صوبہ خیبر پختونخوا میں اپنی حکومت بھی بنالی ہے۔ تحریکِ انصاف قائداعظم محمد علی جناح کے ویژن کی علمبردار بنتے ہوئے اپنے منشور میں وعدہ کرتی ہے کہ اقلیتوں کے خلاف ہر قسم کا امتیازی سلوک ختم کردیا جائے گا۔ حال ہی میں پشاور میں اقلیتوں اور ایک چرچ پر حملوں کے بعد تحریکِ انصاف کو اپنا موقف مزید واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ تحریک انصاف پشاور کے چرچ پر حملے اور سکھوں، کیلاشی باشندوں اور اسماعیلیوں کو انتہاپسندوں کی دھمکیوں کے باوجود کالعدم تحریک طالبان سے مذاکرات کی حامی ہے۔ تحریکِ انصاف کے چیئرمین عمران خان اگرچہ خیبر پختونخوا میں اقلیتوں کو ملنے والی دھمکیوں کی پرزور مذمت کرتے ہیں اس کے باوجود وہ مذاکرات کے ذریعے امن کے اپنے مؤقف پر مصر رہے ہیں۔ البتہ بعدازاں وہ اپنا مؤقف تبدیل کرتے ہوئے امن کے حامی اور مخالف طالبان میں فرق کی بات کرنے لگے۔ تحریکِ انصاف مذہبی گروپوں کے خلاف تشدد یا انہیں دھمکانے پر ''زیرو ٹالرنس'' (ہرگز برداشت نہ کرنے) کا وعدہ کرتی ہے لیکن ابھی ان وعدوں کی باقاعدہ قانون سازی کے ذریعے تکمیل ہونا باقی ہے تاکہ اسماعیلی اور کیلاشی اقلیت کو طالبان کی دھمکیوں سے تحفظ دلایا جاسکے۔ نفرت انگیز مواد کی ترویج کی روک تھام کے لئے بھی اقدامات کرنا ابھی باقی ہے۔

جماعت اسلامی کا اقلیتی حقوق پر منشور

1: اقلیتوں کے نجی معاملات میں ان کے مذہبی قوانین اور روایات کو ترجیح دی جائے گی۔

2: اقلیتوں کو تعلیم، ملازمت اور دیگر حقوق کی فراہمی یقینی بنائی جائے گی۔

3: عبادتگاہوں کے احترام اور تحفظ کا اہتمام کیا جائے گا۔ عبادتگاہوں کو مفت بجلی، گیس اور پانی مہیا کیا جائے گا۔

4: اقلیتوں کے خلاف جانبدارانہ، غیر منصفانہ اور نامناسب سلوک کا ازالہ کیا جائے گا۔

5: اقلیتوں کیلئے ووٹ ڈالنے اور اپنا نمائندہ منتخب کرنے کا سادہ اور مؤثر نظام وضع کیا جائے گا۔

اقلیتی حقوق پر جماعت اسلامی کے وعدوں کا ایک تجزیہ:

جماعت اسلامی اقلیتوں کو ملکی آبادی کا ایک اہم حصہ سمجھتی ہے۔ اس کے منشور میں کہا گیا ہے کہ جماعت اسلامی کو اگر اقتدار ملا تو اقلیتوں کو تمام آئینی اور قانونی حقوق فراہم کئے جائیں گے۔ مئی 2013 کے انتخابات میں ماضی کی طرح ایک بار پھر جماعت اسلامی کو عوام نے مسترد کردیا البتہ صوبہ خیبر پختونخوا میں یہ حکمران تحریک انصاف کی اہم اتحادی جماعت بن کر سامنے آئی۔ جماعت اسلامی اپنے منشور میں اقلیتوں کو ''دیگر افراد'' قرار دیتی ہے جیسا کہ اوپر دیئے گئے اس کے منشور سے عیاں ہے۔ اس پارٹی نے پیپلز پارٹی، (ن) لیگ اور تحریکِ انصاف جیسی جماعتوں کے برعکس اقلیتی برادری کو مرکزی دھارے کی سیاست کا حصہ سمجھنے کی بجائے ان کے ذاتی معاملات نمٹانے کی بات کی ہے۔ جماعت اسلامی جنرل ضیاالحق کے دور میں اقلیتوں کیلئے جداگانہ طرز انتخاب متعارف کرانے میں پیش پیش رہی۔ یہی جماعت ضیاء دور میں نافذ کئے گئے توہین مذہب قانون کے خاتمے میں زبردست رکاوٹ ہے۔ حالانکہ بعض بڑی جماعتیں اس قانون کو اقلیتوں کے خلاف ریاستی جبر کے مترادف سمجھتی ہیں۔ خیبر پختونخوا حکومت کا حصہ ہونے کے باوجود جماعت اسلامی نے طالبان کی کیلاشی اور اسماعیلی برادری کو دھمکی پر خاموشی اختیار کی ہے۔ جماعت اسلامی نے اپنے انتخابی منشور (بقیہ صفحہ 4 پر)

بقیہ: سیاسی جماعتوں کے منشور

میں زیادہ وضاحت کے بغیر اقلیتوں کیلئے انتخابی نظام کی بات کی ہے اور جداگانہ طرز انتخاب کی ضیاء دور میں حمایت سے دستبرداری کے معاملے پر اس کے لب ابھی تک سلے ہوئے ہیں۔ 1953 میں احمدی برادری کے خلاف مہم میں جماعت اسلامی نے متحرک سیاسی کردار ادا کیا اور یوں بالآخر 1970 میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے مقصد میں کامیابی حاصل کرلی۔ جماعت اسلامی آج بھی احمدی کمیونٹی کو مطعون کرتی ہے اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے قطعی آواز نہیں اٹھاتی جس کی 1973 کے آئین میں انہیں غیر مسلم قرار دینے کے بعد ضمانت دی گئی ہے۔

جمعیت علمائے اسلام (ف) کا اقلیتوں کے بارے میں منشور

1: اقلیتوں کو پاکستان میں مساوی شہری حقوق حاصل ہوں گے اور انہیں اسلام اور آئین پاکستان میں فراہم کئے گئے تمام حقوق دیے جائیں گے۔

2: ان حقوق میں غیر مسلم اقلیت کو تمام مذہبی آزادیاں، شہری حقوق اور انصاف تک غیر جانبدارانہ رسائی حاصل ہوگی۔

اقلیتوں کے بارے میں جے یو آئی (ف) کے منشور کا تجزیہ

جے یو آئی کے منشور میں اقلیتوں کے بارے میں محض دو سطروں میں بات کی گئی ہے۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ انہی دو سطروں میں اس نے اقلیتوں کے تمام آئینی حقوق کے تحفظ کا بھرپور عزم کیا ہے۔ جے یو آئی (ف) وہ جماعت ہے جو جنرل ضیا کے دور حکومت 1977 سے 1988 کے درمیان کھمبیوں کی طرح پنپنے والی فرقہ وارانہ گروپوں کی طرف سے مذہبی اقلیتوں کے خلاف بالواسطہ اور بلاواسطہ عدم برداشت کی حمایت کی طویل تاریخ رکھتی ہے۔ جے یو آئی نے دیگر مذہبی قوتوں کے ساتھ مل کر افغان جہاد کیلئے افرادی قوت فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس عمل سے 1980 کی دہائی سے آگے تک پاکستان کی ثقافتی ہیئت کا حلیہ ہی بگڑ گیا۔ اس پارٹی نے اقلیتوں کے آئینی حقوق کے تحفظ پر بہت کم یا نہ ہونے کے برابر بات کی ہے۔ جے یو آئی توہین مذہب قانون میں کسی قسم کی تبدیلی کی سخت مخالف ہے۔ اس نے پیپلز پارٹی کے سابق دور میں شیری رحمان کی طرف سے قومی اسمبلی میں پیش کئے گئے بل کی مخالفت کی تھی۔ سلمان تاثیر اور شہباز بھٹی کے قتل کے بعد لبرل اور سیکولر قوتوں کے دباؤ پر جے یو آئی نے توہین مذہب قانون کے غلط استعمال پر بحث کا مطالبہ تو تسلیم کرلیا لیکن اس نے اس نکتے کو اپنے پارٹی منشور میں شامل کرنے کی زحمت نہیں کی۔ ایک دور میں جے یو آئی مذہبی اور غیر مذہبی اقلیتوں کے خلاف توہین مذہب قانون کا غلط استعمال روکنے کو ایک بڑی رعایت قرار دیتی رہی ہے۔

ایم کیو ایم کا اقلیتی حقوق سے متعلق منشور

1: خواتین اور مذہبی اقلیتوں سے متعلق ہر طرح کے امتیازی قوانین کا خاتمہ کردیا جائے گا۔

2: شہری اور دیہی علاقوں میں پر تشدد صنفی امتیاز کا خاتمہ کیا جائے گا۔ مناسب انتظامی اور قانون سازی کے اقدامات، آگاہی مہم اور تعلیم 3 کے ذریعے خواتین کی تعلیم کی مخالفت کی حوصلہ شکنی اور ان کے معاشرتی کردار میں اضافے کے لئے قدامات کئے جائیں گے۔

4: کسی بھی سماجی، معاشی اور سیاسی معاملے میں شہریوں کی بلا امتیاز شمولیت کے حق کی راہ میں مذہب کو رکاوٹ نہیں بننے دیا جائے گا۔

5: مذہبی اقلیتوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا اور ان کی جان و مال اور مذہبی آزادیوں کے تحفظ کی ریاستی ضمانت دی جائے گی۔

6: قانون ساز اداروں میں اقلیتوں کے لئے کم از کم 5 فیصد نشستیں مختص کی جائیں گی۔

7: عوام اور مذہبی سکالروں کے تعاون سے انتہا پسندی، نفرت، تعصب اور دہشت گردی کے خاتمے کی بھرپور مہم چلائی جائے گی۔

ایم کیو ایم کے منشور کا ایک تجزیہ؛

سندھ کے شہری علاقوں کی ایک بڑی سیاسی طاقت ہونے کے ناطے متحدہ قومی موومنٹ ایسی پارٹی ہے جو ملک بالخصوص اپنے مضبوط گڑھ کراچی اور حیدرآباد میں طالبانائزیشن کے خطرے کے تناظر میں لبرل اور سیکولر ایجنڈا آگے بڑھانے میں حقیقی طور پر حق بجانب ہے۔ ایم کیو ایم کو بریلوی مکتبہ فکر کی حمایت حاصل ہے جو دیوبندی مکتبہ فکر کی طرف سے قرآن وسنت کی بنیاد پرست تشریح کا مخالف ہے۔ ایم کیو ایم نے اپنے منشور میں اقلیتوں کے خلاف تمام امتیازی قوانین کے خاتمے کی دوٹوک بات کی ہے۔ ایم کیو ایم کا منشور اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ کسی بھی سماجی معاشی اور سیاسی معاملے میں شہریوں کی شمولیت کے حق کی راہ میں مذہب کو رکاوٹ نہیں بننا چاہیئے۔ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں میں اقلیتوں کیلئے کم از کم 5 فیصد نشستیں مختص کرنے کی بھی بات کی گئی ہے۔ ایم کیو ایم نے جنوری 2014 میں قومی اسمبلی میں ایک بل پیش کیا جس میں اقلیتوں کیلئے مخصوص نشستیں بڑھانے کی تجویز دی گئی ہے۔ یہ بل اپنے منشور پر عملدرآمد کے لئے پیش کیا گیا۔ ایم کیو ایم نے گزشتہ عام انتخابات میں 7 اقلیتی امیدواروں کو (قومی اسمبلی کی 3 اور صوبائی سمبلی کی 4 نشستیں) جنرل نشستوں کیلئے ٹکٹ جاری کئے۔ اگرچہ اس پارٹی کو علاقائی اور لسانی ایجنڈے پر عمل کرنے اور جرائم پیشہ عناصر کو پناہ دینے کا موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود کراچی میں انتہاپسند قوتوں کے خلاف کھڑے ہونے پر اس کی پذیرائی بھی کی جاتی ہے۔

نیشنل پارٹی کی اقلیتوں کیلئے پالیسی:

نیشنل پارٹی سیکولرازم اور مساوات انسانی پر مبنی معاشرے (egalitarian society) کے قیام پر یقین رکھتی ہے۔ جس میں تمام طبقوں کو اپنے مذہبی عقیدے کے مطابق چلنے کی آزادی ہو۔ پارٹی کے مطابق یہ ریاست کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ شہری آزادیوں اور حقوق کا تحفظ کرے اور کسی مذہبی گروہ کو دوسرے پر اپنے نظریات مسلط کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ نیشنل پارٹی ایک شخص ایک ووٹ کے حق کے نظریے کی علمبردار ہے اور آزادی اظہار کی پالیسی کا ہر قیمت پر تحفظ کرے گی۔ وہ جداگانہ طرز انتخاب کی بجائے بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ووٹ ڈالنے کی بھی حامی ہے۔

نیشنل پارٹی کے منشور کا تجزیہ:

نیشنل پارٹی ملک کی ان معدودے چند سیاسی جماعتوں میں شامل ہے جو نہ صرف سیکولر نظریات کی حامی ہے بلکہ اس نے کئی مواقع پر عملاً بھی اسے ثابت کیا ہے۔ نیشنل پارٹی کو بلوچستان میں ممتاز سیاسی آواز سمجھا جاتا ہے جہاں پرویز مشرف دور میں نواب اکبر بگٹی کے قتل کے بعد حالیہ عرصے میں مسلح شورش جاری ہے۔ نیشنل پارٹی کو مکران ڈویژن میں بھرپور حمایت حاصل ہے جو روایتی طور پر قبائلی سرداری اثر ورسوخ سے پاک علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ اس پارٹی نے بلوچستان سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کی زیر قیادت عسکریت پسندی کے باوجود مکران کے ساحلی علاقوں کے نوجوانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ نیشنل پارٹی نے وفاق پاکستان کے ساتھ بقائے باہمی کے ساتھ بلوچ عوام کے حقوق کے حصول کا نعرہ لگا کر کافی سیاسی حمایت حاصل کی ہے۔ نیشنل پارٹی ایک ایسی جماعت کے طور پر ابھری ہے جو بلوچستان میں بڑھتی عسکریت پسندی اور شورش جیسے عوامل کے تناظر میں صوبے کی آتش فشانی سیاسی صورتحال کا بہتر اندازہ لگاسکتی ہے۔ آئینی فریم ورک کے اندر ایک انصاف پسند معاشرے کے قیام پر مبنی سیاسی حمایت کی توقعات کا دشوار ایجنڈا اس کے سامنے ہے۔ درحقیقت نیشنل پارٹی بلوچ عوام کی خواہشات کو اپنے سیاسی پروگرام سے منسلک رکھنے کی سرتوڑ جدوجہد کررہی ہے۔ بالخصوص ایسے وقت میں جب صوبے کے نوجوان طاقت کے مرکزی اور صوبائی مراکز کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ نیشنل پارٹی کا منشور خالصتاً لبرل اور سیکولر خطوط پر استوار ہے جس کے تحت صدیوں پرانے اس قبائلی نظام کے خلاف آواز اٹھائی گئی ہے جو سیکولر سوچ رکھنے کے باوجود بلوچستان کے عوام کی ایک بڑی خرابی ہے۔

سفارشات

1: پاکستانی ریاست کو جہالت پسند قوتوں کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے مسلمان اور غیر مسلم شہریوں کے یکساں حقوق اور مواقع کی ضمانت دینی چاہیئے کیونکہ ملک کی جناح کے راستے سے جہادی راستے کی طرف مراجعت ناگزیر نہیں، بلکہ پاکستان کے عوام کی اکثریت اب بھی رواداری اور بقائے باہمی پر یقین رکھتی ہے۔

2: فوج، عدلیہ اور سیاسی طبقے کی حمایت سے فروغ پانے والے انتہاپسندوں کی حوصلہ افزائی کی پالیسی میں بامقصد تبدیلی کی فوری ضرورت ہے۔ دو عشروں سے جاری سیاسی بزدلی اور ادارہ جاتی اندھے پن کی اس پالیسی میں تبدیلی کی ضرورت ہے جس نے قوم اور طرز حکمرانی دونوں کو خونیں مضمرات سے دوچار کیا ہے۔

3: ''مسلمانیت'' پر بڑھتے زور سے نہ صرف غیر مسلموں میں بجاطور پر تشویش پیدا ہوئی ہے بلکہ مسلمانوں کے اندر پیدا ہونے والی تقسیم مزید نمایاں ہوئی ہے اور ''اپنے اندر موجود دشمن'' تلاش کرنے کی جستجو بھی بڑھی ہے۔

4: زراعتی اور تعلیمی اداروں کے سوا دیگر غیر مسلموں کی طرح عیسائیوں کے لئے ترقی کا زینہ چڑھنے کے محدود امکانات ہیں۔ عیسائیوں اور دیگر غیر مسلموں کو اعلیٰ سول اور فوجی عہدوں سے جان بوجھ کر دور رکھنا معمول ہے جس سے عدم مساوات کا احساس بڑھا ہے۔ تمام مذاہب اور فرقوں کے شہریوں کو بتایا جائے کہ ملک بنانے، چلانے اور اس کے دفاع میں ان سب نے کردار ادا کرنا ہے۔

5: یہ بات اہم ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کی 11 اگست 1947 کی آئین ساز اسمبلی میں کی جانے والی تقریر کو آئین کے ابتدایے کے طور پر لیا جائے اور 1948 کی قرارداد کی جگہ اسے شامل کیا جائے۔ چونکہ اکثر سیکولر جماعتوں نے اپنے منشور میں ملک کو محمد علی جناح کے ویژن کی طرف واپس لے جانے کا عزم کیا ہے مگر اس مقصد کا حصول آئین میں بنیادی ترامیم سے ہی ممکن ہے۔

6: سماجی، معاشی زندگی سے اقلیتوں کی بے دخلی اور امتیازی سلوک اور نسل پرستی کے واقعات پورے ملک میں رونما ہورہے ہیں۔ مرکز اور صوبوں میں برسراقتدار جماعتوں پر زور دیا جائے کہ وہ اپنے انتخابی وعدے بالخصوص اقلیتوں کے حقوق کے حوالے سے وعدے پورے کریں۔

7: 'اسلام خدا کی نظر میں بہترین مذہب ہے'۔ یہ فقرہ مسلمانوں کے نزدیک قرآنی سیاق وسباق کے اعتبار سے بلا شبہ درست ہے لیکن غیر مسلموں کے معاملے میں ایک قومی وزارت کی طرف سے یہ کہنے سے شہریوں کی یکساں حیثیت پر سوالیہ نشان لگے گا۔

8: کئی بڑے اخبارات اور جرائد بلاتعطل قرآنی آیات شائع کرتے ہیں حالانکہ یہ بطور کمرشل شائع کی جاتی ہیں، الیکٹرانک میڈیا عموماً سال کے مختلف دورانیوں میں اسلام کے مختلف فرقوں کی تبلیغ کرتا ہے۔ جہاں تک ان کی پیشہ وارانہ ذمہ داری کا تعلق ہے تو چند انگریزی اخبارات کے سوا میڈیا کا بیشتر حصہ کثرتیت کے موضوع پر غیر ذمہ دارانہ رپورٹنگ کرتا ہے۔ زیادہ تر فرقہ وارانہ عناصر کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور اقلیت مخالف دیومالاؤں کو نمایاں کیا جاتا ہے۔

9: کم از کم ملک کی دو بڑی جماعتوں مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی نے اپنے منشور میں تعلیمی نصاب میں موجود ایسا نصاب ہٹانے کا وعدہ کیا ہے جو مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے مابین امتیاز پیدا کرتا ہے۔ مسلم لیگ (ن)، پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف حکمران جماعتیں ہیں۔ لہذا ان کے لئے اپنے وعدے پورے کرنا اہم ہے۔ یہ پاکستان کے عوام کی بہت بڑی خدمت ہوگی اگر تعلیمی نصاب سے نفرت انگیز مواد ہٹا دیا جائے۔ 10: عوام اور مذہبی سکالروں کے تعاون سے انتہاپسندی، نفرت، تعصب اور دہشت گردی کے خاتمے کی بھرپور مہم چلائی جائے۔

نوٹ: ساؤتھ ایشیاء پارٹنر شپ پاکستان نے ریت پروگرام کے تحت سیاسی جماعتوں کے منشور کے تجزیہ پر مشتمل ایک تحقیق کا انعقاد کیا تھا۔ جسے کتابچہ کی صورت میں انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں تیار کیا گیا ہے

برابر کے شہری

طارق چوہدری

خالق کائنات نے ابن آدم کو اپنی نعمتوں اور راحتوں سے نوازنے کیلئے عقیدہ، مذہب، قوم اور قبیلے کی کوئی شرط نہیں رکھی۔ خدا کی سرزمین پر آگئے پر اولاد آدم کو بغیر کسی تفریق کے سایہ فراہم کرتے ہیں۔ پانی سب کی پیاس بجھاتا ہے۔ بارش کھیتوں کو سیراب کرتی ہے تو بغیر کسی کا عقیدہ پوچھے۔ ٹھنڈی ہوائیں لو کے مارے جسموں کو راحت پہنچاتے ہوئے کوئی سوال نہیں کرتیں۔ سورج کی کرنیں ہر مذہب کے ماننے والوں کی بستیوں پر پڑتی ہیں۔ آگ سردی سے بچاتے ہوئے ذات پات کا کوئی امتیاز نہیں رکھتی۔ رزق سب انسانوں کو پہنچتا ہے۔ مظاہر فطرت اور نعمتوں کی برابر تقسیم اس بات کا ثبوت ہے کہ قدرت کاملہ کے نزدیک سب انسان مساوی اور نمایاں ہیں۔ کسی شخص کو مذہب، رنگ نسل اور ذات پات کی بنیاد پر دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں۔ یہی معاملہ کسی بھی ملک اور معاشرے میں رہنے والے شہریوں کے حقوق کا بھی ہے۔ معاشرے میں رہنے والے قانونی شہریوں کو آئین کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے یکساں اور مساوی حقوق کی فراہمی ریاستی مشینری کا فرض ہے۔ دین صادق، اسلام بھی ہمیں یہی سبق دیتا ہے۔ ہمارا آئین اور قانون بھی ملک کی جغرافیائی حدود کے اندر رہنے والی مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ پاکستان مسلم اکثریتی ریاست ہے 92 فیصد آبادی مسلمان اور غالب اکثریت سنی العقیدہ ہے۔ جب کہ باقیماندہ آٹھ فیصد مختلف مذہبی اقلیتیں ہیں جن میں سے سب سے بڑی تعداد عیسائیوں کی ہے۔ اس کے بعد ہندو اور پھر تعداد کے لحاظ سے سکھ ہیں۔ پارسی اور بعض دیگر کمیونیٹز بھی ہیں۔ لیکن ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ بانیاں پاکستان نے جب انگریز سامراج کے خلاف جدوجہد آزادی شروع کی تو ان کے پیش نظر یہ بات یقینی طور پر تھی کہ متحدہ ہندوستان میں ہندو غالب اکثریت میں ہیں اور مسلمان اقلیت میں۔ ان کو خدشہ تھا کہ انگریز برصغیر سے چلے جائیں گے تو مسلم اقلیت کے حقوق ہندو اکثریت کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہیں گے۔ چودہ اگست 1947 کو آزادی کا سورج طلوع ہوا تو بانی پاکستان کے وژن میں یہ بات موجود تھی کہ ریاست پاکستان کی حدود کے اندر صرف مسلمان ہی نہیں۔ بلکہ دیگر مذاہب کے افراد بھی آباد ہیں۔ ان کے حقوق کا نہ صرف تحفظ ضروری ہے بلکہ ان کو آئینی، قانونی اور اخلاقی احساس اعتماد دینا بھی ضروری ہے تاکہ وہ نہ صرف اپنے آپ کو محفوظ تصور کریں بلکہ ملک کی تعمیر وترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ لہٰذا انہوں نے نوزائیدہ ریاست کے پالیسی سازوں کو مستقبل کے رہنما اصول وضع کرکے دیدیئے۔ بانی پاکستان کی مشہور زمانہ 11 اگست 1947 کی تقریر کو اقلیتوں کے تحفظ کے حوالے سے چارٹر کی حیثیت حاصل ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا اگر ہم پاکستان کی اس عظیم مملکت کو پرامن اور خوش حال دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں دل جمعی اور خلوص نیت سے اپنی توجہ لوگوں بالخصوص عوام اور غریبوں کی بہتری کی طرف مبذول کرنا چاہیے۔ اگر آپ ماضی کو فراموش کرکے اور پرانی عداوتوں کو دفن کرکے باہمی تعاون کے ساتھ کام کرینگے تو آپ کی کامیابی یقینی ہے۔ اگر آپ اپنے ماضی کو تبدیل کرکے اس عزم کے ساتھ کام کرینگے کہ آپ میں سے ہر فرد، اس بات سے قطع نظر کہ اس کا تعلق کسی کمیونٹی سے ہے، اس بات سے قطع نظر ماضی میں اس کے آپ کے ساتھ تعلقات کسی نوعیت کے رہے ہیں اور اس بات سے قطع نظر کہ اس کا رنگ، ذات یا عقیدہ کیا ہے وہ سب سے پہلے، اس کے بعد بھی اور سب سے آخر میں بھی یکساں حقوق، مراعات اور ذمہ داریوں کے ساتھ اس ریاست کا شہری ہے تو آپ جتنی ترقی کرینگے اس کی کوئی حد نہیں ہوگی۔

آگے چل کر مزید فرمایا اب آپ آزاد ہیں آپ اپنے مندروں میں جانے کیلئے آزاد ہیں۔ آپ اس مملکت پاکستان میں اپنی مسجدوں یا عبادت کی دیگر جگہوں پر جانے کیلئے آزاد ہیں۔ آپ کا تعلق کسی بھی مذہب یا ذات یا عقیدے سے ہوسکتا ہے۔ مگر کاروبار ریاست کو اس سے کوئی سروکار نہیں خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنا آغاز ایسے حالات میں نہیں کیا۔ ہم ان حالات میں آغاز کررہے ہیں جب کوئی امتیازی رویہ، کسی ایک یا دوسری کمیونٹی کے خلاف کوئی تفاوت اور کسی ایک یا دوسری ذات یا عقیدے کے خلاف کوئی جانب دارانہ رویہ موجود نہیں۔ ہم اس بنیادی اصول کے ساتھ آغاز کررہے ہیں کہ ہم ایک ریاست کے شہری اور یکساں حیثیت رکھنے والے شہری ہیں۔ میں سمجھتا.ہوں کہ اب ہم اسی سوچ کو ایک مثال کے طور پر اپنے سامنے رکھنا چاہتے ہیں اور آپ کو پتا چلے گا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ہندو ہندو نہیں رہے گا اور مسلمان، مسلمان نہیں رہے گا مذہبی حوالے سے نہیں کیونکہ یہ ہر فرد کے ذاتی اعتقاد کا معاملہ ہے بلکہ سیاسی معنوں میں ریاست کے شہری کے طور پر۔

آئین پاکستان کے دیباچے میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ ایسے اقدامات کیے جائیں کہ تمام مذہبی اقلیتوں کو اپنے مذہب اور کلچر کے مطابق رسومات کی ادائیگی کے مواقع حاصل ہوں۔ اسی دیباچہ میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ ملک میں تمام طبقات کو معاشی، معاشرتی، سیاسی انصاف، آزادی اظہار، عقیدے، عبادت، ایسوی ایشن (اجتماع) کی یکساں آزادی ہوگی۔ پاکستان میں گذشتہ کچھ سالوں سے بالخصوص ضیاء الحق مرحوم کے دور میں بتدریج اقلیتی گروہوں کو حاصل حقوق اور تحفظ میں شدید کمی آئی ہے شانتی نگر اور ٹبہ کالونی میں عیسائی اقلیتوں کے خلاف کارروائی، 2005 میں سانگلہ ہل میں تشدد کے واقعات، اس کے بعد گوجرہ میں اشتعال انگیز کارروائی، حال ہی میں پشاور میں ہونے والا چرچ بم دھماکہ۔ سندھ میں ہندو اقلیت کی شکایات بھی بڑھ رہی ہیں ہندو کمیونٹی کے لیڈروں کا کہنا ہے کہ زبردستی مذہب تبدیل کرانے اور ہندو لڑکیوں کی جبری شادیاں، ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کشیدگی کو بڑھا رہے ہیں۔ ابھی تقریباً دو سال قبل کئی سو ہندو خاندانوں کی پاکستان کی سکونت ترک کرکے ہندوستان منتقلی اس بات کا ثبوت ہے کہ ملک کے بعض حصوں میں اقلیتیں عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ دین اسلام کسی بھی انسان کا ناحق خون بہانے سے منع کرتا ہے۔ آئین پاکستان ملک میں رہائش پذیر تمام اقلیتوں کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ غیر مسلموں کے جان و مال کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہے۔ لہذا پارلیمنٹ میں اقلیتوں کی نمائندگی موثر بنائی جائے۔ اس وقت پارلیمنٹ میں موجود اقلیتی نمائندے اپنی پارٹی کے سربراہوں کی مرضی ومنشاء سے بنتے ہیں۔ اس کی بجائے تمام سیاسی جماعتیں عام انتخابات میں اقلیتی برادری کے افراد کو ٹکٹیں دینے کا کوٹہ مقرر کریں۔ اقلیتی برادری کیلئے الگ سیٹیں بھی مخصوص کی جائیں تاکہ اقلیتیں براہ راست اپنے نمائندے ہی منتخب کریں۔ پارلیمنٹ ایسے قوانین بنائے کہ اقلیتوں کے معاشی، مذہبی، جانی و مالی حقوق کا تحفظ ہوسکے اور کسی بھی مذہبی جنونی کو پہلے سے موجود قوانین کو آڑ لے کر کسی بھی اقلیتی گروہ کے خلاف کارروائی کا موقع نہ مل سکے۔

ساؤتھ ایشیا پارٹنرشپ پاکستان کے پراجیکٹ HRF III کی تیسری سہ ماہی میں منعقد کی گئیں سرگرمیاں

رپورٹ: کاشف رانا
ترجمہ: صدف اکرم

ممبران قومی وصوبائی اسمبلی کے ساتھ پینل ڈسکشن / آگاہی اجلاس

ممبران قومی وصوبائی اسمبلی کے ساتھ چار آگاہی اجلاس اور پینل ڈسکشن منعقد ہوئیں۔ یہ اجلاس REAT ''ریت'' حقوق اور مذہبی آزادی کے حوالے سے قانون سازی، اقلیتوں کی عبادت گاہوں اور جائیدادوں کی حفاظت، ہندوؤں کیلئے شمشان گھاٹوں کی تعمیر، اخلاقیات کی کتابوں اور استادوں کی عدم دستیابی، غیر مسلموں کیلئے عائلی قوانین، زبردستی شادیاں اور تبدیلئ مذہب کے ساتھ ساتھ گروہی حملے اور متعصب قوانین کا ازسرنو جائزہ کے عنوان کے تحت منعقد کئے گئے۔ ان اجلاسوں میں بحث کے بعد ممبران اسمبلی کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ سنجیدہ بنیادوں پر اقلیتوں کی مذہبی آزادی اور دیگر بنیادی حقوق کے حوالے سے اقدامات کئے جائیں جن پر عمل درآمد سے تعلیمی اصلاحات، قبرستانوں کی حفاظت اور پاکستان میں قانون کی بالادستی قائم کی جاسکے۔

موجودہ پالیسیوں / قوانین کا جائزہ

پولیس آرڈر 2002 کے جائزے میں یہ بات سامنے آئی کہ فیصلہ سازی اور پولیس میں اہم عہدوں کے حوالے سے اقلیتوں کو شامل نہیں کیا گیا۔

آگاہی سیمینار / عوامی تقریبات

ضلع لاڑکانہ میں ایک آگاہی سیمینار منعقد کیا گیا جس میں ممبران قومی وصوبائی اسمبلی، سول سوسائٹی کے نمائندگان، وکلاء، صحافی برادری، سیاست دان اور کمیونٹی ممبران کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اس سیمینار میں اس موضوع پر بحث کی گئی کہ وہ کونسی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے پاکستان میں اقلیتی برادری 30 فیصد سے کم ہو کر محض 6 فیصد رہ گئی ہے؟ اور پاکستان کے طول وعرض میں بسنے والی اقلیتوں کو درپیش مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ اس سیمینار میں شرکاء کی توجہ نہ صرف مذہبی آزادی، حقوق اور پاکستان کی مذہبی اقلیتوں کے مسائل کی طرف تھی بلکہ ان میں یہ احساس بھی اجاگر ہوا کہ انہیں اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور اقلیتوں کے حقوق کیلئے مشترکہ جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ آج ضرورت ہے اس بات کی کہ سول سوسائٹی، سیاستدان، اسمبلی ممبران، میڈیا، وکلاء کمیونٹی اور حکومت مل کر یک زبان ہو کر پاکستان کی مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی ضمانت اور تسلسل کیلئے آواز بلند کریں۔

معلوماتی مواد کی تیاری اور اشاعت

قارئین کی آسانی کیلئے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ایک کتابچہ تیار کیا گیا ہے تاکہ اس پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جا سکے۔ اس کتابچہ میں اقلیتوں پر جبر، مذہبی آزادی، بنیادی آئینی حقوق جیسا کہ ''ریت'': آئینی اور بین الاقوامی ضمانتیں جو اقلیتوں کے حقوق کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اس میں صوبائی اور وفاقی سطح پر اقلیتوں کو درپیش مسائل کا جائزہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سیاسی پارٹیوں کے منشور میں اقلیتوں سے متعلق شقوں کا تنقیدی تجزیہ بھی معلوماتی مواد کا حصہ ہیں۔ قومی اسمبلی اور سندھ اسمبلی کی ایک سال کی مذہبی اقلیتوں سے متعلق کارروائی کی رپورٹ کو بھی معلوماتی مواد کا حصہ بنایا گیا ہے۔ بلوچستان اور پنجاب اسمبلیوں کی رپورٹ پر کام جاری ہے SAP.PK نے پوسٹر بھی شائع کیے ہیں جن میں مساوات اور اقلیتوں کے حقوق کے احترام کو نمایاں کیا گیا ہے۔

مشاورتی اجلاس

تین مشاورتی اجلاس کا انعقاد کیا گیا جس میں انسانی حقوق سے تعلق رکھنے والی تنظیموں، مذہبی اقلیتوں کے نمائندگان جو کہ پنجاب، سندھ اور خیبر پختونخواہ سے تعلق رکھتے ہیں نے شرکت کی۔ ان اجلاس میں مذہبی اقلیتوں کی آزادی اور آئینی حقوق پر بحث ومباحثہ کیا گیا۔

پشاور میں منعقدہ اجلاس میں اقلیتوں کے حقوق کے لیے سول سوسائٹی نے نمائندہ کمیشن کے قیام کا اعلان کیا۔ اس کمیشن کے قیام کا مقصد اقلیتوں کو درپیش مسائل کے حل کے لیے حکمتِ عملی ترتیب دینا اور ان کی معاونت کرنا ہے۔ کوئٹہ میں منعقدہ اجلاس میں بھی سول سوسائٹی تنظیموں کا الائنس تشکیل دیا گیا۔ اس کا مقصد بھی مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت ہے۔ اس اتحاد کا ڈھانچہ اور ذمہ داریوں کا تعین اور اگلے اجلاس میں تعلیمی نصاب کا ازسرِنو جائزہ لینے کی سفارشات پیش کی گئیں۔ نصاب مرتب کرنے والی کمیٹی میں غیر مسلموں کی شمولیت کی بھی سفارش کی گئی۔ مزید برآں اجلاس میں نچلی سطح پر اقلیتی حقوق کی کمیٹی کے قیام کو بھی زیرِ بحث لایا گیا اور بنیادی تعلیم میں انسانی حقوق کے پرچار کی بھی سفارش کی گئی۔

میڈیا مہم / آرٹیکل

قومی اور علاقائی اخباروں میں شائع ہونے والے سات کالموں میں مذہبی اقلیتوں کی صورتحال اور انکو درپیش مسائل کو زیرِ بحث لایا گیا۔ ایک تقابلی جائزہ بھی لیا گیا کہ جس میں یہ دیکھا گیا کہ دیگر ممالک میں مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے کیا اقدامات زیرِ عمل لائے جاتے ہیں۔ ان کالموں میں اس بات کو بھی اجاگر کیا گیا کہ کس طرح اقلیتوں کو سیاست سے دور رکھا جاتا رہا ہے اور اس قسم کے اقدامات کس طرح اقلیتوں کو غیر محفوظ کر رہے ہیں۔ اس میں مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں پر حملے گروہی فسادات اور سیاسی نمائندوں کے قتل، املاک کو نقصان، زبردستی نقل مکانی جیسے مسائل بھی زیرِ بحث آئے۔

سیاسی و مذہبی جماعتوں اور قانون ساز اداروں کی نگرانی

سیاسی و مذہبی جماعتوں کے منشور ہائے کا بغور جائزہ لیا گیا ہے جس میں مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ سے متعلق شقوں اور ان پر عملدرآمد پر بحث کی گئی نیز یہ بھی دیکھا گیا کہ کون سے حقوق کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

سیاسی جماعتوں کے ساتھ تبادلہ خیال / پینل ڈسکشن

پشاور میں ایک اجلاس منعقد کیا گیا جس میں سیاسی جماعتوں مثلاً پاکستان پیپلز پارٹی، عوامی نیشنل پارٹی، جمعیت علما اسلام (ف) نیشنل پارٹی، عوامی ورک اتحاد، پاکستان مسلم لیگ (ن) اقلیتی جماعتوں نمائندگان اور صحافی تنظیموں سے تعلق رکھنے والے افراد نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں صوبہ خیبر پختونخواہ میں اقلیتوں کے حقوق کی پاسداری کے لیے سیاسی جماعتوں کے کردار کا جائزہ لیا گیا اور سیاسی جماعتوں سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ صوبائی سطح پر اقلیتوں کی املاک، جان ومال عبادت گاہوں، روزگار اور تعلیم کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔ اور آنے والے انتخابات میں مذہبی اقلیتوں کو سیاست کے مرکزی دھارے میں شامل کرنے کی سفارشات پیش کی گئیں۔ اجلاس کے شرکاء نے اس بات پر زور دیا کہ فاٹا میں مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے اور انہیں اپنے فرائض کی ادائیگی کی آزادی کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ شرکا نے وفاقی اور صوبائی سطح پر مذہبی اقلیتوں کے لیے بنائے گئے قوانین مثلاً قوانینِ وراثت، عائلی قوانین کا ازسرِنو جائزہ لینے کا مطالبہ کیا گیا۔ سیاسی جماعتوں کے نمائندگان نے اس بات پر باہمی اتفاق کیا کہ وہ اپنی جماعتوں کے قائدین کو اس بات پر آمادہ کریں گے کہ پارٹی کے منشور میں اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔

انسانی حقوق فنڈ-3 کے تحت ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان نے پروگرام کی وسیع تر کوریج کے لئے اخبارات اور صحافیوں سے قریب تر رابطے قائم رکھے جس کے نتیجہ میں قومی سطح سے لے کر مقامی سطح کے اخبارات خصوصاً انگریزی روزناموں نے اقلیتوں کے مسائل اور حقوق کے حوالے سے ہونے والی سرگرمیوں کو نمایاں طور پر شائع کیا۔ زیرِ نظر اخبارات کی کچھ سرخیاں چانن کے قارئین کی دلچسپی کے لئے شائع کی جا رہی ہیں

بقیہ: قائد کے نظریہ سے انحراف

1980ء کی دہائی میں امتیازی قوانین نافذ کئے گئے اور اقلیتوں کے خلاف تشدد ایک سنگین معاملہ بن کر ابھرا۔ پاکستان کا توہینِ مذہب کا قانون مذہبی اقلیتوں کو مسلسل نشانہ بنانے کا باعث بنا ہے۔ ایک غریب مسیحی خاتون آسیہ بی بی پاکستان کی تاریخ کی پہلی عورت ہے جسے توہینِ رسالت کے الزام میں مجرم قرار دے کر سزائے موت سنائی گئی ہے۔ 2012ء کے اوائل میں نوعمر مسیحی لڑکی رمشا مسیح کو توہین مذہب پر موردالزام ٹھہرایا گیا۔ اگرچہ بعدازاں اسی سال نومبر میں اسے بری کردیا گیا۔ اس کے باوجود رمشا اور اس کے خاندان کو پاکستان میں محفوظ مقام پر رکھنا پڑا اور اب یہ لوگ بیرون ملک پناہ لے چکے ہیں۔ اگست 2010 میں پنجاب کے علاقہ گوجرہ (ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں توہینِ مذہب کے الزام میں 7 مسیحیوں کو زندہ جلادیا گیا، 18 دیگر افراد زخمی ہوئے جبکہ 50 گھروں کو مشتعل ہجوم نے آگ لگادی۔ مسلم اکثریتی ممالک میں پاکستان واحد ملک ہے جہاں توہینِ مذہب کے خلاف سب سے زیادہ سخت قوانین موجود ہیں۔ اگرچہ توہین مذہب کے خلاف قوانین کی تاریخ انگریز دور سے شروع ہوتی ہے لیکن نئے قوانین جنرل ضیاء کی فوجی آمریت کے دور میں متعارف کرائے گئے۔ تعزیرات پاکستان میں توہین مذہب کی سب سے اہم شق 295 ہے۔ ''عبادتگاہوں یا مقدس مقامات کو نقصان پہنچانے، بے حرمتی کرنے اور پیغمبر اسلامؐ کی (نعوذ باللہ) توہین'' جیسے جرائم کی جرمانے سے لے کر موت تک سزائیں ہیں۔ ان قوانین کے مطابق ''توہین مذہب کیلئے کسی شخص کا ارادہ'' اسے مستوجب سزا ٹھہرانے کیلئے کافی ہے۔ اس قانون کا نفاذ عموماً مسلمانوں کی طرف سے غیرمسلموں کی عبادتگاہوں کی بے حرمتی پر نہیں ہوتا۔ انگریز دور میں توہینِ مذہب قوانین کا استعمال شاذ و نادر ہوتا تھا اور یہ صرف ایسے ملاؤں اور مبلغین کے خلاف کارروائی تک محدود تھا جو بین العقائد تشدد یا کسی دوسرے عقیدے پر حملے میں ملوث ہوتے تھے۔ لیکن 1982ء سے کسی بھی شخص پر توہینِ مذہب یا توہینِ رسالت کا الزام لگایا جاسکتا ہے جس کے تحت پاکستانی اقلیتوں بالخصوص عیسائیوں کے خلاف قانون ہاتھ میں لینے اور غیرسنجیدہ الزام تراشی کا راستہ کھل گیا ہے۔ 1986ء سے پہلے اس قانون کے تحت توہین مذہب کے صرف 14 مقدمات درج ہوئے تھے جبکہ 1986ء سے 2014ء کے درمیان 1274 افراد کے خلاف اس نوعیت کے مقدمات کا اندراج کیا گیا۔ اسلام پسند جماعتیں پوری شدت اور بسا اوقات پرتشدد انداز میں توہینِ مذہب کے اقدامات کی مخالفت کرتی آئی ہیں تاہم یہ بات زیادہ تشویشناک ہے کہ آج مرکزی دھارے میں شامل جماعتیں اور نسبتاً لبرل جماعتیں بھی anti-blasphemy مؤقف رکھتی ہیں۔ توہینِ مذہب قانون کے خلاف بولنے پر سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر اور سابق وفاقی وزیر شہباز بھٹی کو 2011ء میں قتل کردیا گیا۔ اگرچہ ان دونوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس پر توہین رسالت کا شائبہ تک ہوتا ہو لیکن انتہا پسند ملاؤں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ توہینِ مذہب کے خلاف قوانین کی مخالفت میں بولنا بھی توہینِ مذہب کے زمرے میں آتا ہے چنانچہ دونوں ممتاز سیاستدانوں کو سزائے موت کا مستوجب قرار دیا گیا۔ توہین مذہب قانون کا پہلا مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ اس سے اسلامی اتھارٹی کا تحفظ کرنا مقصود ہے۔ آئین کے آرٹیکل 2 کے تحت اسلام ریاست کا سرکاری مذہب ہے۔ آرٹیکل 31 کہتا ہے کہ یہ حکومت پاکستان کا فرض ہے کہ وہ اسلامی طرز زندگی کی حوصلہ افزائی کرے۔ آرٹیکل 33 میں لکھا ہے کہ یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ شہریوں کے درمیان مذہبی، نسلی، قبائلی، فرقہ وارانہ یا صوبائی تعصّبات کی حوصلہ شکنی کرے۔ بدقسمتی سے پاکستان کی مسلم اور غیرمسلم اقلیتوں کے تحفظ کے لئے آرٹیکل 33 کو کبھی سنجیدہ اور منظّم انداز میں بروئے کار نہیں لایا گیا۔ غیرمسلم اقلیتوں کے علاوہ احمدیوں (جو خود کو اسلام کا ایک فرقہ سمجھتے ہیں لیکن سرکاری طور پر انہیں غیرمسلم قرار دیا گیا ہے اور مذہبی حلقے انہیں بدعتی کہتے ہیں) کے خلاف توہینِ مذہب قانون کی کئی دفعات کے تحت قانونی کارروائیاں کی جاتی ہیں۔ شدت پسند گروپ احمدیوں کو عوامی مقامات اور ان کی عبادت کی جگہوں پر مسلسل نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ تحریک طالبان پاکستان گاہے بگاہے بیانات جاری کرکے احمدیوں اور اہل تشیع جیسے 'دشمنان اسلام' پر حملوں پر پاکستانیوں کو مبارکباد دیتی ہے۔ مذہبی اقلیتوں کے خلاف ہر کارروائی کے بعد طالبان یا لشکر جھنگوی جیسے گروپ بلاخوف وخطر نہایت فخریہ انداز میں ذمہ داری قبول کرلیتے ہیں۔ مارچ 2013 میں لاہور میں مشتعل ہجوم نے عیسائیوں کے 40 سے زائد گھر نذرآتش کردیئے جبکہ پولیس تماشائی بن کر کھڑی رہی۔ عیسائیوں کے بعد شیعہ مسلمانوں پر حملوں کی لہر کو میڈیا میں اکثر فرقہ واریت قرار نہیں دیا جاتا۔ جبکہ حقیقت میں مسلسل بڑھتے یہ ہلاکت خیز حملے ان اسلام پسندوں کے پاکستان کو 'پاک' کرنے کے منصوبہ کی عکاسی کرتے ہیں جو پاکستان کو 'تکفیری' اسلام کا مرکز بنانے کے عزائم رکھتے ہیں۔ لغوی معنوں میں پاکستان کا مطلب 'پاک لوگوں کی سرزمین' ہے۔ تاہم 1940ء کے عشرے سے غیرمحسوس طریقے سے شروع ہونے والی مہم جس نے 1990ء کی دہائی میں رفتار پکڑلی، کا مقصد پاکستان کو مذہبی تخلیص والی سرزمین میں تبدیل کرنا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں بنیاد پرستی کے بڑھتے رجحان سے اقلیتوں کے حقوق کی ارادتاً خلاف ورزی اور کئی سیاستدانوں اور بیوروکریٹس کی طرف سے اسلامی انتہاپسندی کا تدارک کرنے سے پہلوتہی کی عکاسی ہوتی ہے۔ پاکستان کے سکیورٹی اداروں کی طرف سے مذہبی انتہاپسندوں کو کشمیر اور افغانستان جیسے محاذ جنگ میں استعمال کرنے کی روش سے بھی ان عناصر کو سزا سے بچنے میں مدد ملی ہے۔ مئی 2013ء کے انتخابات میں ضیاالحق کی اسلامائزیشن کی باقیات ایک بار پھر پاکستان کو نشانہ بنانے کیلئے عود آئیں۔ جہاں اعتدال پسند اور لبرل سویلین سیاستدانوں کے کاغذات نامزدگی اس بنیاد پر مسترد کردیئے گئے کہ وہ مذہبی شعائر اور نظریہ پاکستان کے سوالات پر مشتمل ٹیسٹ پاس نہیں کرسکے وہاں عسکریت پسند اور دہشت گرد لیڈروں کو ایسی کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ یہ اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ ریاست پرتشدد انتہا پسندوں کو ملک کے مرکزی سیاسی دھارے کا حصہ تسلیم کرنا چاہتی ہے۔ پورے معاشرے میں اسلامائزیشن کا عمل جو ضیاالحق کی سرپرستی میں شروع ہوا وہ اب پورے جوبن پر ہے اور اب ایسے بنیاد پرست گروہوں کی بھرمار ہے جو ایسے وسیع تر معاشرے میں جو ردّعمل سے خوفزدہ ہے، اپنی مخالفت کرنے والوں کو مٹانے کے درپے ہیں۔ حالیہ چند برسوں کے دوران ہر ایسی آواز کو کچل دیا گیا جو اسلام پسندوں کی مخالف تھی، ان میں بےنظیر بھٹو، سلمان تاثیر، شہباز بھٹّی اور کئی دیگر شامل ہیں۔

مذہبی اقلیتوں کے لئے بھی عائلی قوانین بنائے جانے چاہئیں۔ حافظ حسین احمد

ترجمہ: نورین صلاح الدین

سندھ کے ضلع جیکب آباد میں کمیونٹی ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن نے "ریٹ پروگرام" کے تحت اسلام میں اقلیتوں کے حقوق کے موضوع پر ایک پروگرام کا انعقاد کیا۔ جس میں کمیونٹی ڈویلپمنٹ فاؤنڈیشن سے جان اُوڈھانو نے تمام شرکاء کو خوش آمدید کہا۔ اس سرگرمی کے مہمانِ خصوصی جمیعت علماء اسلام سے سینئر پارلیمنٹرین حافظ حسین احمد تھے۔ جان اوڈھانو نے کمیونٹی ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن کے پس منظر اور تنظیم کی جاری سرگرمیوں کے بارے میں بات کی اور ریٹ پروگرام کی موجودہ سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ ریٹ مذہبی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور فروغ کے بارے میں بات کرتا ہے۔ حافظ حسین احمد نے کمیونٹی ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن کی طرف سے اتنے اہم موضوع پر پروگرام منعقد کرنے پر انہیں خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ اقلیتوں کے حقوق سے متعلق بات چیت کے لیے اِس سیمینار کا بر وقت انعقاد کیا گیا ہے۔ اگر ہم آئین پاکستان کا طائرانہ جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ غیر مسلموں کو بہت سے حقوق دیتا ہے لیکن حقیقت میں ہمارے ہاں تو اکثریت کو بھی اپنے حقوق پوری طرح سے نہیں مل رہے تو ایسے میں اقلیتوں کے لئے اپنے حقوق کا حصول اور بھی مشکل تر ہو جاتا ہے لیکن ان حالات میں انسانی حقوق فنڈ پروگرام کی اقلیتوں کے حقوق کے لئے جاری جدوجہد لائق تحسین ہے؟ انہوں نے مزید کہا کہ گو کہ برطانیہ کی سرزمین جمہوریت کی ماں کہلاتی ہے لیکن وہاں بھی اقلیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جاتا ہے۔ ماضی میں ذوالفقار علی بھٹو نے مسلمانوں کے حقوق کے لیے جدوجہد کی اور مفتی محمود اقلیتوں کے حقوق کے لیے کوشاں رہے۔ اُنھوں نے مزید کہا کہ مذہبی اقلیتوں کے لیے چاہے وہ ہندو ہیں، سکھ ہیں، عیسائی یا کوئی اور، اُن کے لیے عائلی قوانین ہونے چاہییں بلکہ اُنھیں پاکستان کی ریاست کے تحت اِن تمام حقوق کو استعمال کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے۔ اُنھوں نے ہمارے آخری پیغمبر ﷺ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ ہمیشہ غیر مسلموں کی حمایت فرماتے اور اُن کا احترام کرتے تھے پس ان کا یہ طرزعمل ہمیں پابند کرتا ہے کہ اقلیتوں کے حقوق کا نہ صرف پاکستان میں بلکہ پوری دینا میں احترام کیا جائے۔ ہماری جماعت کا خواب بھی بالکل یہی ہے کہ ہر مذہبی تناظر سے بالاتر ہو کر انسانیت کا احترام کیا جائے۔ اگر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ بہت سے ہندو اور عیسائی ارکانِ صوبائی اور قومی اسمبلی ہیں جنھیں ہماری جماعت نے کبھی مذہب کی بنیاد پر منتخب نہیں کیا لیکن بطورِ پاکستانی اُنھیں یہ حق ہے کہ وہ آئیں۔

اُنھوں نے کہا مجھے یہ بتاتے ہوئے فخر ہے کہ بلوچستان میں ضلع نوشکی میں 600-500 تک اقلیتی خاندان ہیں جنھوں نے مجھے ووٹ کاسٹ کیے اور کامیاب بنایا۔ یہ میرے لیے بہت اعزاز کی بات ہے کہ وہ مجھ پر اتنا زیادہ اعتماد کرتے ہیں اور میں ہمیشہ ہر جگہ اُن کے حقوق کو اہمیت دیتا ہوں، ہم برابری چاہتے ہیں، ہم انسانیت کی بات کرتے ہیں اور ہم اپنی خواتین (ہندو، عیسائی، سکھ اور دوسری خواتین بھی اِسی احترام کی مستحق ہیں جیسے احترام کی ہماری مسلمان خواتین ہیں) کے لیے احترام اور تحفظ چاہتے ہیں۔ جو بھی مذہبی اقلیتیں مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرتی ہیں، حکومت کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اُنھیں تحفظ دے، مذہب ہر ایک کا ذاتی معاملہ ہے، کسی کو بھی اِس پر کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ اگر تاریخ دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم ہمیشہ اقلیتوں کے حقوق کے لیے کھڑے ہوئے ہیں، اور ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں چنانچہ ہم سب کو اپنے حقوق لینے کے لیے متحد ہونا پڑے گا۔ اِس کے بعد سوالات وجوابات کا سلسلہ شروع ہوا۔ پروگرام کے آخر میں حافظ حسین احمد نے یقین دہانی کرائی کہ میں اور میری جماعت آپ کے ساتھ ہیں اور ہم ہمیشہ آپ کی حمایت کے لیے یہاں ہوں گے۔ انھوں نے کمیونٹی ڈویلپمنٹ آرگنائزیشن کا شکریہ ادا کیا کہ اُنھوں نے جیکب آباد کے لوگوں ک خصوصاً اقلیتی؛ آبادی سے بات کا موقع فراہم کیا۔

جیکب آباد میں عید ملن پارٹی

رپورٹ: چانن

31 جولائی کو جنت ہال جیکب آباد میں عید ملن پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ ریت پراجیکٹ کے تعاون سے کمیونٹی ڈویلپمنٹ فاؤنڈیشن نے اس پارٹی کا انعقاد ممکن بنایا جس میں تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے خواتین و حضرات نے شرکت کی

۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز شاہ عبدالطیف بھٹائی کی مذہبی رواداری اور امن کے موضوع پر شاعری سے کیا گیا۔ کیمونٹی ڈویلپمنٹ فاؤنڈیشن سے جان اوڈھو نے شرکاء کو خوش آمدید کہتے ہوئے عید کی مبارک باد دی۔ انہوں نے اپنے پیغام میں مذہبی ہم آہنگی کی ضرورت پر زور دیا۔ ہندو پنچائیت کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر کنول کمار نے ہندو آبادی کی طرف سے مسلمانوں کو عید کی مبارک باد کا پیغام پڑھ کر سنایا اور اس بات کا یقین دلایا کہ بین المذاہب ہم آہنگی کے حوالے سے وہ ہر سرگرمی کا حصہ بنیں گے۔ چوہدری منور پاسٹر نے کہا کہ اتفاق میں بڑی طاقت ہے اور ہم سب مل کر اس طاقت کو یقینی بناسکتے ہیں۔ سردار ست نام سنگھ نے کہا کہ تاریخ میں پہلی بار ایسا ہورہا ہے کہ ہندو مسلم سکھ عیسائی مل کر عید کی خوشیاں منارہے ہیں۔ اس موقع پر انہوں نے انسانی حقوق فنڈ 3 کے مقاصد اور سرگرمیوں کو سراہا۔ عیدملن پارٹی پر جی ایم سومرو، اگینس بھٹی، سکندر بختیار کھوسو، لیاقت علی لاشاری (پی پی پی) اکرم خان ابڑو (پی ایم ایل این)، عبدالخلیق قادری، سیپ پاکستان سے عبدالرب اور پراجیکٹ کوآرڈینیٹر نصراللہ نائیک نے بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور مذہبی ہم آہنگی کی ضرورت پر زور دیا۔ بعدازاں شرکاء کی مٹھائی اور مشروبات سے تواضع کی گئی۔

کیس سٹیڈی: انسانی حقوق فنڈ اور ایچ ڈی آر کے ممبران نے جیکب آباد کو بڑی کشیدگی سے بچالیا

15 مارچ کو ضلع لاڑکانہ میں رات 11 بجے یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ ایک ہندو نوجوان نے ارادتاً قرآن پاک کی بے حرمتی کی ہے اور اس کے کچھ مقدس اوراق گندے نالے میں بہائے ہیں۔ یہ واقعہ لیلا آباد کا ہے۔ اس خبر کا فوری ردعمل یہ ہوا کہ مختلف مذہبی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے افراد نے باغ جناح لاڑکانہ کے قریب العباس چوک پر واقع ہندوؤں کی دھرم شالہ پر حملہ کردیا۔ بلوائیوں نے اس کے اندر کچھ مقدس مورتیوں کو نقصان پہنچایا، فرنیچر کی توڑ پھوڑ کی اور کچھ دیگر ضروری ساز وسامان نذرآتش کردیا۔ اگرچہ پولیس نے مشتعل ہجوم کو قابو کرنے کی کوشش کی لیکن اسے اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد اسی ہجوم نے گرورام مندر پر بھی حملہ کردیا۔ اگلی صبح مذہبی جماعتوں کے نمائندوں نے ایک احتجاجی ریلی نکالی اور ہندوؤں کی دوکانوں پر پتھراؤ کیا۔ اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے سیکورٹی فورسز نے علاقے کو گھیرے میں لے لیا اور رات کا کرفیو نافذ کردیا۔ جس ہندو لڑکے پر قرآن کی بے حرمتی کا الزام تھا اسے پولیس نے چھاپہ مار کر اس کے گھر سے گرفتار کرلیا۔ اس واقعے کے بعد بلوچستان میں بھی احتجاجیوں اور پولیس کے درمیان پُرتشدد جھڑپیں ہوئیں جن میں ایک پولیس اہل کار سمیت تین افراد شدید زخمی ہوئے۔ اوستا محمد میں بھی ہندوؤں کی دوکانوں کو نذرآتش کردیا گیا۔ جیکب آباد میں صورت حال کشیدہ نظر آئی جہاں اطلاعات تھیں کہ ہندوؤں پر حملے ہوسکتے ہیں۔ ان حالات میں انسانی حقوق فنڈ۔3 اور ایچ ڈی آر کے ممبران نے جیکب آباد میں صورت حال کو کشیدہ ہونے سے روکنے کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ ایچ ڈی آر سے کنول کمار نے ریت ہیلپ لائن پر اس واقعے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی صورت حال سے آپریٹر کو آگاہ کیا۔ جس نے فوری طور پر پولیس حکام، انسانی حقوق فنڈ اور ایچ ڈی آر کے دیگر ممبران کو مطلع کیا۔ پراجیکٹ کوآرڈینیٹر نصراللہ نائیک اور سی ای او کے سی ڈی ایف محمد جان نے ضلعی انتظامیہ اور پولیس کے اعلیٰ حکام سے رابطہ کیا اور یہ درخواست کی کہ کسی ناخوشگوار واقعہ سے بچنے کے لئے فوری اقدامات اٹھائے جائیں۔ اس درخواست کا ایس ایس پی نے فوری نوٹس لیا اور مندروں نیز ہندو آبادی کے تحفظ کے لئے پولیس کی نفری تعینات کروادی۔ بعدازاں امن وامان کی صورت حال کو قابو میں رکھنے کے لئے رینجر کے دستے بھی تعینات کردئے گئے۔ اس روز ہندو کمیونٹی میں اتنا خوف تھا کہ انہوں نے اپنی دوکانیں نہیں کھولیں۔ ادھر ایچ آر ڈی کے ممبران نے ریت ممبران کے ساتھ مل کر ہندو اور مسلم رہنماؤں سے ملاقاتیں کی اور ان پر زور دیا کہ وہ امن قائم کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔ جس کے بعد مسلم اور ہندو رہنماؤں نے لوگوں سے پُرامن رہنے اور کسی بھی شرپسند کے بہکاوے میں نہ آنے کے اعلانات جاری کرنے شروع کردئے۔ ہندو رہنماؤں نے سماجی رابطہ کے نیٹ ورک ٹیوٹر پر یہ پیغام جاری کیا کہ اگر ہندو لڑکا واقعی گنہگار پایا گیا تو سزا کا مستحق قرار پائے گا۔ اس دوران مسلم رہنماؤں نے مارکیٹ اور ہندوؤں کی آبادیوں کا دورہ کیا اور انہیں تحفظ کا یقین دلایا۔ اگلے روز جیکب آباد کے حالات مکمل طور پر معمول پر آچکے تھے۔

آئین کے آرٹیکل 10-A کے تحت ریاست لوگوں کے مذہبی عقائد اورنظریات میں مداخلت نہیں کرسکتی!

ترجمہ: صدف تنویر گوندل

ریاست پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ افراد کے مذہبی عقائد اور نظریات میں مداخلت نہ کرے۔ آرٹیکل 10-A مذہب کی تبلیغ اور مذہبی اداروں کے نظم ونسق کی آزادی، شہریوں کو دونوں حق فراہم کرتا ہے، یعنی کسی مذہب کی تبلیغ کرنا یا نہ کرنا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ آرٹیکل ریاست پر بھی یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ لوگوں کے مذہبی عقائد اور نظریات میں مداخلت سے باز رہے۔ یہ فیصلہ تین رکنی بنچ نے دیا جس کی سربراہی چیف جسٹس سپریم کورٹ جناب تصدق حسین جیلانی کررہے تھے۔ بلدیاتی انتخابات کی حلقہ بندیوں پر تفصیلی فیصلے میں سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ آرٹیکل 19 (آزادی تقریر اور اظہار) ہر فرد کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ بلاجواز پابندیوں کے خوف سے آزاد ہوکر اور ریاستی مداخلت کے بغیر اپنی رائے اور خیالات کا اظہار کرسکے اور کسی بھی بحث ومباحثے کا حصہ بن سکے لیکن اس کے ساتھ ہی شہریوں کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ کسی رائے کا اظہار نہ کریں اور خاموش رہیں۔ شہریوں کے مثبت اور منفی حقوق کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے فیصلے میں بیان کیا گیا ہے کہ مثبت حقوق ایسے حق ہوتے ہیں جن کی فراہمی کے لیے عام طور پر ریاست کو کوئی اقدام اٹھانا ہوتا ہے جب کہ منفی حقوق کے ضمن میں ریاست پر ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ کسی قسم کی مداخلت سے باز رہے۔ ''ہمارے آئین میں درج بہت سے بنیادی حقوق دونوں یعنی مثبت اور منفی حقوق کے زمرے میں آتے ہیں''۔ منفی حق کا حامل عدم مداخلت کا استحقاق بھی رکھتا ہے۔ جب کہ مثبت حق کا حامل فرد یہ استحقاق رکھتا ہے کہ اس کو کوئی اشیاء یا خدمات فراہم کی جائیں''۔ فیصلے میں کہا گیا ہے کہ منفی حقوق ریاست پر یہ ذمہ داری عائد کرتے ہیں کہ وہ بعض معاملات میں مداخلت سے باز رہے۔ ان حقوق کا حامل فرد کسی بھی طریقے سے اپنا یہ حق استعمال کرسکتا ہے یعنی وہ چاہے تو کسی خاص طریقے پر عمل درآمد کرتے ہوئے یا نہ کرتے ہوئے اپنا حق استعمال کرسکتا ہے اور اسی حق کے تحت وہ اپنا یہ حق بھی استعمال کرسکتا رسکتی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے (رائے رعقیدہ) کا انتخاب کرے۔ ''مثبت حقوق میں سماجی اور معاشی حقوق شامل ہیں اور ریاست پر ایک مثبت ذمہ داری عائد کرتے ہیں۔ ان میں تعلیم کا حق (آرٹیکل 25A)، فرد اور جائیداد کا تحفظ (آرٹیکل 24, 9 بالترتیب) اور سماجی انصاف کے فروغ اور سماجی برائیوں کا خاتمہ (آرٹیکل 37) شامل ہیں''۔ سندھ لوکل گورنمنٹ کا ذکر کرتے ہوئے فیصلے میں کہا گیا کہ لوگوں کو 9 کے پینل میں انتخابات لڑنے یا نہ لڑنے پر مجبور کرنا آرٹیکل 2A کی خلاف ورزی ہے اور اس سے آرٹیکل 17 اور 25 کے تحت حاصل حقوق کی فراہمی میں بھی رکاوٹ آئی ہے۔ فیصلے میں کہا گیا ہے کہ ازسرنو حلقہ بندیوں کا کام کسی غیر جانبدار ادارے (الیکشن کمیشن) کے سپرد کرنا ضروری تھا کیونکہ اس طرح کے واقعات سامنے آئے تھے کہ اس عمل کے ذریعے کسی خاص کمیونٹی، اقلیتی یا لسانی گروہ کو کمزور اور غیرموثر بنادیا گیا۔ (بشکریہ: دی ایکسپریس ٹریبون)

اقلیتوں کا احساس عدم تحفظ، اسباب و تدارک

تحریر: ارشاد مستوئی

نوٹ: زیر نظر مضمون "ریت" پروگرام کے تحت صحافیوں کے ساتھ منعقدہ نشستوں کے نتیجہ میں تحریر کیا گیا ہے۔

غیر سرکاری ادارے ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان کے ریجنل پروگرام آفیسر مقبول بلوچ نے ایک ملاقات کے دوران بتایا کہ ریت نیٹ ورک کے تعاون و باہمی اشتراک سے بلوچستان میں آباد مذہبی اقلیتوں کو درپیش مسائل کے حل اور معاشرے میں شعور اجاگر کرنے کے حوالے سے کوشاں ہیں جن کی کوشش وخواہش ہے کہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے جہاں پر لوگ بھائی چارے، امن اور برابری کے ساتھ رہ سکیں۔ جہاں ہر شخص کو بلاتفریق رنگ و نسل و مذہب انصاف پر مبنی نظام میسر ہو۔ گو کہ ان کی کوششیں قابل ستائش ہیں۔ تاہم مجھے اس پر تشویش بھی لاحق ہے گو کہ آئین، مملکت اللہ داد ملک کی تمام اکائیوں میں بسنے والے تمام لوگوں کو ان کی علاقائی، نسلی، لسانی، مذہبی اور سیاسی وابستگیوں سے قطع نظر مساوی شہری حقوق کی فراہمی کی ضمانت دیتا ہے۔ اسی آئین میں چند ایسی دفعات بھی ہیں۔ جن کے تحت غیر مسلم شہریوں کو مسلمان شہریوں کے مساوی حقوق میسر نہیں اور کئی معاملات میں یہ غیر مسلم مملکت اللہ داد میں دوسرے درجے کے شہری بن کر رہ جاتے ہیں۔ تاہم ان آئینی دفعات کے علاوہ عملی زندگی میں یہ صورتحال کہیں زیادہ سنگین ہے۔ آئین میں ریاست کے لیے کسی خاص مذہب کا تعین ان تمام شہریوں کے خلاف امتیاز کی بد ترین صورت اختیار کر جاتا ہے جو اس اعلان کردہ مذہب سے تعلق نہیں رکھتے۔ اگر ایک طرف انہیں عملی طور پر دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا ہے تو دوسری طرف بسا اوقات ریاست کے ساتھ ان کی وفاداریوں پر بھی انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں۔ ملک میں غیر مسلم شہریوں کے بارے میں پائی جانے والی عدم رواداری میں مروجہ امتیازی قوانین کے ساتھ تنگ نظر سماجی رویے اور ریاست کے مذموم مقاصد کی تکمیل کی خاطر تاریخی حقائق کو من چاہے رنگ میں ڈھالا ہوا نظام تعلیم بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ نظام تعلیم کا یہ متعصبانہ رنگ گذرتے وقت کے ساتھ ساتھ انتہائی گہرا ہوتا چلا گیا اور ملک کے مسلمان شہریوں کی ایک بڑی اکثریت نے یہ فرض کر رکھا ہے کہ یہ ملک صرف مسلمانوں کا ہے چنانچہ اس ملک میں بسنے والے ہر شہری کی ملک وقوم کے لیے خدمت سے قطع نظر اسے حب الوطنی کی سند اسی وقت مل سکتی ہے جب وہ ریاست کے اعلان کردہ مذہب کے ساتھ وابستگی اختیار کرتے ہوئے اس کا ثبوت دے۔ مذہبی اقلیتوں کے لیے زندگی گذارنے کی گنجائش کم سے کم ہوتے چلے جانا اور ان کے ساتھ اکثریتی آبادی کی عدم رواداری اسی صورتحال کے منفی نتائج ہیں۔ ملک میں پرویزی آمریت کے تسلط کے خاتمہ اور فروری 2008ء کے عام انتخابات کے بعد سیاسی و جمہوری جماعت برسر اقتدار آئی تو اس سیاسی و جمہوری سرکار سے مختلف طبقات کو کہیں زیادہ امیدیں وابستہ تھیں۔ 2009ء میں وزیر اعظم گیلانی نے 11 اگست کو مذہبی اقلیتوں کے قومی دن کے طور پر منانے کا اعلان کیا مذہبی اقلیتوں کو پاکستان کے یکساں شہری کا درجہ دینے کا حق کسی بھی حوالے سے تسلیم کیا جائے، اسے خوش آئند کہا جائے گا۔ لیکن اس امر کا ادراک کرتے ہوئے جس دن کا انتخاب کیا گیا اور محمد علی جناح کے تاریخی خطاب کو اس کا حوالہ بنایا گیا جسے ستم ظریفی ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ 11 اگست 1947ء کو ملک کی دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں محمد علی جناح نے جو خطبہ پیش کیا اس میں مذہبی حوالے سے اکثریت یا اقلیت کا فرق روا رکھنے کی بجائے مذہبی شناخت کے حوالے سے کوئی تفریق نہ رکھنے کی بات کی گئی۔ اگر یہ بات محمد علی جناح کے مذکورہ خطاب کا مرکزی نکتہ نہ ہوتی تو ملک کو مذہبی ہیئت دینے کے خواہاں حلقے اتنی شدومد کے ساتھ اسے سنسر کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ اگرچہ محمد علی جناح کے مذکورہ خطاب کا حوالہ متعدد جگہ کہیں نہ کہیں ہمیشہ دیا جاتا رہا ہے اس کے باوجود اس کے چیدہ چیدہ اقتباسات یہاں درج کرنا برمحل ہوگا؛ 1۔ ''اب اگر ہم پاکستان کی اس عظیم مملکت کو پرامن اور خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں دل جمعی اور خلوص نیت سے اپنی توجہ لوگوں بالخصوص عوام اور غریبوں کی بہتری کی طرف مبذول کرنا چاہیے۔ اگر آپ ماضی کو فراموش کر کے اور پرانی عداوتوں کو دفن کر کے باہمی تعاون کے ساتھ کام کریں گے تو آپ کی کامیابی یقینی ہے۔ اگر آپ ماضی کو تبدیل کر کے اس عزم کے ساتھ کام کریں گے تو آپ میں سے ہر فرد اس بات سے قطع نظر کہ اس کا تعلق کس کمیونٹی سے ہے، اس بات سے قطع نظر کہ ماضی میں اس کے آپ کے ساتھ تعلقات کس نوعیت کے رہے ہیں اور اس بات سے قطع نظر کہ اس کا رنگ، ذات یا عقیدہ کیا ہے، وہ سب سے پہلے اس کے بعد بھی اور سب سے آخر میں بھی یکساں حقوق، مراعات اور ذمہ داریوں کے ساتھ اس ریاست کا شہری ہے تو آپ جتنی ترقی کریں گے اس کی کوئی حد نہیں ہوگی''۔ 2۔ ''میں اس بات پر مزید زور نہیں دے سکتا کہ ہمیں اسی عزم کے ساتھ کام کا آغاز کر دینا چاہیے اور وقت گذرنے کے ساتھ اکثریتی اور اقلیتی یعنی ہندو کمیونٹی اور مسلمان کمیونٹی کے یہ تمام تفاوت ختم ہوجائیں گے کیونکہ جہاں تک مسلمان ہونے کا سوال ہے تو اس میں بھی آپ لوگ پٹھان، پنجابی، شیعہ، سنی اور اسی طرح کے کئی ذیلی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور بطور ہندو آپ میں برہمن، ویش، کھتری، کے علاوہ بنگالی، مدراسی اور اسی طرح کی گوناگوں تقسیم موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اختلافات موجود نہیں رہیں گے۔ درحقیقت اگر مجھ سے پوچھا جائے تو یہی اختلافات ہندوستان کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ رہے ہیں اور اگر یہ نہ ہوتے تو ہم بہت عرصہ پہلے ایک آزاد قوم ہوتے۔ کوئی بھی طاقت کسی دوسری قوم بالخصوص چالیس کروڑ نفوس پر مشتمل قوم کو غلام نہیں بنا کر رکھ سکتی تھی۔ کوئی بھی قوت آپ پر فتح حاصل نہیں کر سکتی تھی اور اگر ایسا ہو بھی جاتا تو ایک لمبے عرصہ تک آپ پر غلبہ برقرار نہیں رکھ سکتی تھی۔ مگر ان اختلافات کی وجہ سے ایسا ہوا لہٰذا ہمیں اس تجربے سے سبق سیکھنا چاہیے''۔ 3۔ ''اب آپ آزاد ہیں، آپ اپنے مندروں میں جانے کے لیے آزاد ہیں، آپ اس مملکت پاکستان میں اپنی مسجدوں یا عبادت کی دیگر جگہوں پر جانے کے لیے آزاد ہیں۔ آپ کا تعلق کسی بھی مذہب، ذات یا عقیدے سے ہوسکتا ہے۔ مگر کاروبار ریاست کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنا آغاز ایسے حالات میں نہیں کیا۔ ہم ان حالات میں آغاز کر رہے ہیں جب کوئی امتیازی رویہ، کسی ایک یا دوسری کمیونٹی کے خلاف کوئی تفاوت اور کسی ایک یا دوسری ذات یا عقیدے کے خلاف کوئی جانبدارانہ رویہ موجود نہیں۔ ہم اس بنیادی اصول کے ساتھ آغاز کر رہے ہیں کہ ہم ایک ہی ریاست کے شہری اور یکساں حیثیت رکھنے والے شہری ہیں''۔ 4۔ ''میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمیں اسی سوچ کو ایک مثال بنا کر اپنے سامنے رکھنا چاہیے اور آپ کو پتہ چلے گا کہ وقت گذرنے کے ساتھ ہندو ہندو نہیں رہے گا اور مسلمان مسلمان نہیں رہے گا، مذہبی حوالے سے نہیں کیونکہ یہ ہر فرد کا ذاتی اعتقاد کا معاملہ ہے بلکہ سیاسی معنوں میں ریاست کے شہری کے طور پر۔''

ان اقتباسات پر غور کریں تو محمد علی جناح کے خطبہ میں مذہبی شناخت اور اپنے مذہبی عقیدے اور طریقہ عبادات پر کاربند رہنے کی کامل آزادی دی گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اسے کلی طور ہر شہری کا ذاتی معاملہ قرار دیا گیا تھا جس سے ریاست کو کوئی سروکار ہوگا اور نہ ہی ریاست ان معاملات میں کسی قسم کی دخل اندازی کرے گی۔ اس کے پیش نظر کیا ہی اچھا ہوتا اگر 11 اگست کو اقلیتوں کا قومی دن قرار دینے کی بجائے اس دن کو تمام عقائد اور فرقوں کے مابین رواداری و یگانگت کے فروغ اور قومی شناخت پر فخر کے طور پر منایا جاتا۔ اس طرح اس روز اس بات پہ غور وفکر کرنے کا موقع بھی ملتا کہ اس خطبہ زمین پر جنم لینے والے سبھی انسان اپنی مذہبی، قومیتی یا لسانی شناخت سے قطع نظر اسی مٹی کے سپوت ہیں اور یہ سب کسی بھی امتیاز کے بغیر ملک کے یکساں شہری ہونے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ اس سے ملک کی اکثریتی آبادی کے رگ و پے میں بسے اس تاثر میں کمی لانے میں مدد ملتی کہ مذہبی اقلیتوں کے حقوق تسلیم کرنا ان کے ساتھ احسان کا معاملہ ہے۔ مذہبی شناخت کے حوالے سے کسی شہری کے برتر یا کمتر ہونے کی سوچ بنیادی طور پر غلط ہے اور جدید ریاستی تصورات میں اس قسم کی سوچ کی کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔ بلوچستان جو آزادی کے اعتبار سے محدود مگر رقبہ کے اعتبار سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے وہاں ہندو برادری صدیوں سے آباد ہے۔ بلوچستان کے قبائلی معاشرے میں خود کو زیادہ محفوظ تصور کرنے والی اقلیتی برادری دور حاضر میں عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا ہے اور ہجرت کا راستہ اپنانے پر مجبور ہوگئی ہے کہ یوں تو ہندو برادری نے بلوچستان سے ہجرت کے دکھ کو بھی پرویز مشرف کے دور میں چھیننا شروع کیا جب 17 مارچ 2005 میں ڈیرہ بگٹی میں ممتاز بلوچ بزرگ قوم پرست رہنما نواب اکبر بگٹی کے قلعہ پر پہلا حملہ کیا گیا، اس حملے میں بگٹی قبیلے کے ساتھ ساتھ اقلیتی برادری سے تعلق رکھنے والے متعدد افراد لقمہ اجل بنے، جن میں خواتین و بچے بھی شامل تھے۔ اس کے بعد ڈیرہ بگٹی میں بسنے والی اقلیتی برادری ہجرت کرنے پر مجبور ہوئی۔ گولیوں کی بڑھتی ہوئی گونج، خوف و دہشت نے ڈیرہ بگٹی کے ہندو محلے کو ویران کر دیا۔ جہاں اب خوف کے سناٹے میں مندر میں امن و آتشی، پریم بھگتی کا کوئی ورد نہیں ہوتا۔ پھر جب اسکے بعد حالات بگڑتے گئے اور خوف و دہشت کے سائے پھیلنا شروع ہوئے تو عدم تحفظ کا احساس مزید شدت اختیار کرنے لگا۔ ہندو اقلیتی برادری سے تعلق رکھنے والے افراد کے اغواء برائے تاوان کے واقعات میں انتہائی تشویش ناک حد تک اضافہ ہوا۔ 2011ء میں ضلع قلات میں واقع قدیم کالی مندر کے مہاراج سائیں لکھمی گرو جی جب اغوا ہوئے تو عدم تحفظ کا احساس اقلیتی برادری کو احتجاج کے لیے سڑکوں پر لے آیا۔ جعفر آباد، نصیر آباد، کوئٹہ، قلات، خصدار، سمیت بلوچستان کے مختلف اضلاع میں بھرپور احتجاج ہوا۔ مہاراج لکھمی گرو جی تو بازیاب ہو کر آگئے لیکن اس کے باوجود اقلیتی برادری کے اغوا برائے تاوان کے واقعات رکے نہیں، تسلسل کے ساتھ جاری رہے۔ رواں سال کے ماہ جون میں ایک اور دلخراش واقعہ نیشنل پارٹی سے تعلق رکھنے والے اقلیتی رکن بلوچستان اسمبلی ہینڈری مسیح کا اپنے محافظ کے ہاتھوں قتل کا تھا۔ ابھی ہینڈری مسیح کے قتل پر بلوچستان میں سوگ جاری ہی تھا کہ خضدار میں ہندو پنچایت کے سرکردہ رہنما کو فائرنگ کر کے موت کی نیند سلا دیا گیا۔ اس کے علاوہ اور کئی واقعات تسلسل کے ساتھ جاری رہے جس پر اقلیتی برادری کے ساتھ ساتھ بلوچستان کی سیاسی وقوم پرست جماعتوں نے بھی روایتی ردعمل کا اظہار کیا اور ان واقعات کو بلوچستان کی روایات کے منافی قرار دیا۔ لیکن ان تمام واقعات کے دوران اقلیتی برادری کو حاصل مذہبی آزادی کا اگر تذکرہ کیا جائے تو میں ایک خبر کے بہیمانہ قتل پر خود کو مجرم سمجھتا ہوں اور اس میں بریکنگ نیوز کی ڈگڈگی پر ناچنے والے میڈیا کو مورد الزام ٹھہراتا ہوں۔ جب 19 جون 2014ء کو بلوچستان صوبائی اسمبلی کا بجٹ اجلاس ہورہا تھا اور اجلاس کے دوران پاکستان مسلم لیگ (ن) سے تعلق رکھنے والے اقلیتی رکن اسمبلی سنتوش کمار کی جانب سے درخواست پیش کی گئی کہ وہ مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لیے بیرون ملک جارہے ہیں اس لیے بجٹ سیشن میں آنے سے قاصر ہیں لہٰذا ان کی رخصت کی درخواست منظور کی جائے۔ مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ بلوچستان اسمبلی میں مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لیے درخواست کو منظور نہیں کیا جاسکتا اور اس درخواست کو نامنظور خود مسلم لیگ (ن) کے پارلیمانی لیڈر نواب ثناء اللہ خان زہری کرتے ہیں، جو چیف آف جھالاوان بھی ہیں اور ہمیشہ اقلیتی برادری کے جان و مال کے تحفظ سے متعلق ان کے بیانات اخبارات کی زینت بنتے ہیں لیکن موصوف کی جانب سے ایک اقلیتی رکن کی مذہبی آزادی پر قدغن لگانے پر کسی بھی صحافی نے اس کو خبر کے طور پر لینے کی زحمت گوارا نہیں کی اور یوں خوف دہشت اور عدم تحفظ کے احساس میں مبتلا رہنے والے اس صوبے میں ایک اور خبر کا انتہائی بے دردی سے گلہ گھونٹ کر قتل کر دیا گیا یہاں صرف ایک خبر کا قتل نہیں ہوا بلکہ اقلیتی برادری سے متعلق خبریں اکثریت کے مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے قتل کی جاتی ہیں مذہبی رسومات کی ادائیگی کی اجازت نہ ملنے کے بعد اقلیتی رکن اسمبلی کی مسلم لیگ (ن) سے رکنیت معطل کی گئی پھر مسلم لیگ (ن) کے پارلیمانی لیڈر نے اسپیکر بلوچستان اسمبلی کو اقلیتی رکن کے خلاف نااہلی کا ریفرنس بھیج دیا گو کہ آئینی و قانونی تقاضے پورے کیئے بغیر یہ ریفرنس الیکشن کمیشن کو بھی ارسال کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ خبر کا تعلق ایک اقلیتی رکن سے ہے لہٰذا کسی بھی صحافی کیلئے یہ خبر اہمیت کی حامل نہ رہی اور لاوارث لاش کی طرح لاعلمی کے مردہ خانے میں سڑتی رہی۔ تاہم اقلیتی برادری سے ان تمام زیادتیوں اور ناانصافیوں کے باوجود سنجیدہ مبصر حلقوں کا کہنا ہے کہ ریاست کی نظر میں زیادہ اہمیت اس کی ہونی چاہیے کہ کوئی بھی شہری ریاست کا کس حد تک وفادار ہے۔ ریاست کا اولین فریضہ اپنے تمام شہریوں کو قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے امن، انصاف اور تحفظ فراہم کرتا ہے، چنانچہ اس حوالے سے کسی بھی شہری کا ذاتی عقیدہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ ضرور ہے کہ جمہوری نظام حکومت میں کمزور طبقات بالخصوص اقلیتی برادری سے تعلق رکھنے والے شہریوں کی حالت میں بہتری لانے اور انہیں قومی دھارے میں شامل کرنے کے لیے بعض اضافی اقدامات کا سہارا لینا پڑتا ہے اور زود پذیر طبقات کو خصوصی مراعات دی جاتی ہیں تاکہ وہ ملک کے دیگر شہریوں کے شانہ بشانہ چل سکیں۔ بلوچستان میں اقلیتی برادری اغوا برائے تاوان کے واقعات کے باعث خوف و عدم تحفظ کے جس احساس و کرب میں مبتلا ہے انہیں اس سے نجات دلانے کے لیے ان تمام قوتوں کو اپنا مؤثر اور عملی کردار کرنا ہوگا جو سرزمین سے جڑت رکھنے کے دعوے دار ہیں۔ سیاسی وقبائلی اثر و رسوخ کا استعمال کرنا ہوگا، ماضی کی عظیم قومی روایات کے دامن کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے ایک گرینڈ جرگہ طلب کر کے تمام قبائلی عمائدین و معتبرین کو اس کی ذمہ داری سونپنا ہوگی کہ وہ اپنے اپنے علاقے میں بسنے والی ہندو برادری کے تحفظ کو یقینی بناتے ہوئے انہیں اپنائیت کا احساس دلائیں تاکہ وہ کبھی مٹی سے رشتہ توڑ کر جانے کا تصور بھی اپنے دل و دماغ میں نہ لائیں اور بلوچستان میں امن و استحکام کے لیے اپنا مؤثر و عملی کردار ادا کر سکیں۔

پاکستان میں اقلیتوں کی صورت حال

تحریر: محمد اسلم ڈوگر

نوٹ: زیر نظر مضمون "ریت" پروگرام کے تحت صحافیوں کے ساتھ منعقدہ نشستوں کے نتیجہ میں تحریر کیا گیا ہے۔

پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے اعتبار سے صورت حال کبھی اتنی خوش کن نہیں رہی مگر 1980ء کی دہائی کے بعد سے تو گویا اقلیتوں کو نشانہ بنانے کی کوئی باقاعدہ مہم شروع ہوئی جو رکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ جب کبھی اقلیتوں کو نشانہ بنانے میں وقفہ ذرا لمبا ہوجاتا ہے تو اقلیتوں میں خوف مزید بڑھ جاتا ہے۔ وہ اس عرصہ کو طوفان سے پہلے کی خاموشی گردانتے ہیں۔ اقلیتوں کو نشانہ بنانے میں کسی مذہب کی تخصیص نہیں ہے۔ اگر اقلیتوں کے ان حقوق کا جائزہ لیا جائے جو ملک کے آئین نے انہیں دیئے ہیں تو ہمیں وہ حقوق عملی طور پر اقلیتوں کو ملتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ آئین میں ہر شخص کو عقیدے، آزادی اظہار، آزادی اجتماع اور ایسوسی ایشن کی آزادی دی گئی ہے۔ یہی آئین ہے جس کی وجہ سے پاکستان ایک اسلامی جمہوری ملک ہے۔ جو لوگ اقلیتوں کو آئین میں دی گئی آزادیوں اور طبقوں کو ماننے سے انکار کرتے ہیں وہ بنیادی طور پر اس ریاست کے پورے وجود کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ دوسری طرف اقلیتوں پر حملوں کو عملی پیمانے پر بھی پرکھا جائے تو اس سے ملک وقوم کی کونسی خدمت ہوتی ہے۔ پاکستان میں جو چند لاکھ عیسائی آباد ہیں اگر وہ اس ملک میں نہیں رہیں گے تو کیا ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے پاکستان کے تمام مسائل حل ہوجائیں گے کیا اگر ہندو اپنی بستیاں چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں تو کیا اس سے پاکستان میں خوشحالی آجائے گی؟ کیا اگر بچے کچھے ہندو سرحد پار کر کے کسی اور ملک جائیں تو کیا اس سے پاکستان پر اللہ کی رحمتیں برسنا شروع ہوجائیں گی؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا اللہ کی منشاء ہوتی تو اس کے لئے کونسا مشکل تھا کہ وہ سب ہی لوگوں کو نیکوکار مسلمان بنا دیتا۔ اللہ تعالیٰ کے نبیؐ نے جب ریاست قائم کی تو عملی طور پر اقلیتوں کے لئے بہترین برتاؤ کی مثال پیش کی۔ قرآن میں بھی مسلمان حکمرانوں کو اپنے غیر مسلم شہریوں کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ حکم ہے ''جنگ کی حالت میں بھی اگر کوئی شخص بھاگ کر کسی غیر مسلم عبادت گاہ میں پناہ لے تو اسے عافیت ہے'' لیکن کیا کیا جائے کہ آج غیر مسلموں کی عبادت گاہیں نشانہ بنائی جارہی ہیں۔ اس قسم کی صورتحال کیوں پیدا ہوئی کہ اسلام جو راہمواری، بھائی چارے اور سلامتی کا دین ہے۔ اسی مذہب کے نام پر اقلیتوں کو مارا جائے، یہ انتہا پسندانہ رویہ ایک خاص مقصد کے لئے پاکستانی معاشرے میں پروان چڑھایا گیا۔ اس رویے کی وجہ سے عدم برداشت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ مذہب تو دور کی بات ہے صرف اختلاف رائے رکھنے پر لوگوں کی جان لے لی جاتی ہے۔ اس ساری صورت حال میں ہماری سیاسی جماعتوں کا کیا کردار رہا ہے اور ہمارے نمائندے جنہیں قوم کے اجتماعی مسائل کے حل کے لئے چنا گیا ہے وہ کیا کر رہے ہیں تو اس سلسلے میں ان کی موجودگی کہیں نظر نہیں آرہی۔ سیاسی جماعتوں کی ٹکٹ پر منتخب ہوکر آنے والے نمائندے پارٹی کے موقف سے ہٹ نہیں سکتے اور قانون سازی کے عمل میں بھی ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اگر پارٹی کا سربراہ یہ فیصلہ کرے گا کہ وہ کسی خاص قانون کے حق میں ووٹ دے گا تو اس کی پارٹی کے نمائندے ووٹ ڈال سکتے ہیں ورنہ وہ فلور کراسنگ کے قانون کی زد میں آجائیں گے۔ سیاسی اعتبار سے شاید فلور کراسنگ کا قانون ٹھیک ہو لیکن بعض عملی اقدامات کی راہ میں یہ بڑی رکاوٹ ہے۔ اس کے لئے صوبائی اسمبلیوں اور قومی اسمبلیوں میں اقلیتوں کی نمائندگی کے قانون میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ یعنی اگر اقلیتوں کے نمائندے چاہے، وہ کسی بھی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں انہیں اپنے مذہبی حوالے سے قانون سازی کے لئے یا اپنی برادری کے لئے پارٹی کے موقف سے ہٹ کر یا پورے ایوان میں اجتماعی ووٹ دینے کی اجازت ہونا چاہیے۔ اٹھارہویں ترمیم کے بعد بہت زیادہ معاملات اب صوبوں کے پاس چلے گئے ہیں۔ اب سب سے زیادہ ذمہ داری قومی وصوبائی اسمبلیوں میں بیٹھے ہوئے عوامی نمائندوں کی ہے کہ وہ سب سے پہلے آئین میں دیئے گئے اقلیتوں کے حقوق کی فراہمی کو یقینی بنائیں اور اس سے بھی پہلے اقلیتوں کے تحفظ کے لئے اقدامات اٹھائے جائیں۔ ان کی بستیوں، عبادت گاہوں اور سکولوں کو تحفظ دیا جائے۔ اس کے علاوہ عوامی سطح پر اقلیتوں کے حقوق کے احترام کے لئے آگاہی مہم شروع ہونی چاہیے تاکہ نچلی سطح تک اس اہم ترین مسئلے پر بحث ہو اور اقلیتیں جن کا تعلق عمومی طور پر انتہائی غریب طبقے سے ہے وہ پاکستان میں امن اور سکون کے ساتھ رہ سکیں۔ اقلیتیں پاکستانی گلدستے میں لگے مختلف رنگوں کے پھول ہیں۔ ان پھولوں کو توڑ پھینکنے سے پاکستان کا اپنا چہرہ خراب ہوگا۔ شاید یہی وہ بات تھی جو اس ملک کے بانی حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے بھی ذہن میں تھی۔ انہوں نے بطور گورنر جنرل اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ ''اقلیتیں اپنے مذہبی عقائد میں مکمل طور پر آزاد ہیں'' یہ بات اگرچہ دہرانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ قائداعظم سے بہت پہلے ہمارے مذہب نے بھی حکم دیا ہوا ہے کہ اقلیتوں کو تحفظ دیا جائے۔ مگر قائد نے یہ اپنا فرض سمجھا تھا کہ وہ ایک نئے ملک کی بنیاد رکھ رہے ہیں تو اس کے آئندہ لائحہ عمل میں یہ بات شامل کی جائے کہ پاکستان میں اقلیتوں کو تحفظ حاصل ہوگا، جن حالات اور مشکلات میں آج پاکستان میں اقلیتیں زندگیاں گزار رہی ہیں کیا یہ ہر مسلمان اور ہر پاکستانی کے لئے ایک چبھتا ہوا سوہل نہیں ہے۔ غیر ملکی طاقتوں اور غیر ملکی سازشوں کے نظریات پیش کرتے وقت یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ ان سازشوں اور غیر ملکی منصوبوں کے لئے آلہ کار تو آخر ہمارے اپنے اندر سے بنائے جاتے ہیں۔ عوام میں اگر یہ شعور راسخ کر دیا جائے کہ اقلیتوں کو تحفظ دینا ہماری اجتماعی ذمہ داری ہے اور کسی ایک فرد کی کسی غلط حرکت کا مطلب پوری برادری یا اس کے عقیدے کا غلط ہونا نہیں ہے تو پھر شاید ہم غیر ملکی طاقتوں، غیر ملکی سازشوں کے لئے آلہ کار بننے والوں کا ہاتھ بھی روک سکیں گے۔

پاکستان میں انسانی حقوق اور مذہبی اقلیتیں

خالد میر
khalidmir.88@gmail.com

نوٹ: زیر نظر مضمون "ریت" پروگرام کے تحت صحافیوں کے ساتھ منعقدہ نشستوں کے نتیجہ میں تحریر کیا گیا ہے۔

کسی معاشرے میں انسانی حقوق کا شعور اس کی سیاسی ثقافت اور جمہوری تجربے سے بندھا ہوا ہوتا ہے، پاکستان میں سیاسی ثقافت روز اول سے کمزور رہی ہے معروف معنوں میں جمہوری اداروں کی حقیقی بالادستی کبھی قائم نہیں ہوسکی جمہوری عمل کی عدم موجودگی میں انسانی ترقی کا معیار ناگزیر طور پر انحطاط کا شکار ہوتا ہے انسانی ترقی کے بنیادی اشارے کیا ہیں: تعلیم، صحت عامہ، شہری سہولتیں انفرادی آزادیاں اور فیصلہ سازی میں عوام کا بالادست کردار جب ان شعبوں میں کسی ملک کی صورتحال زوال پذیر ہوتی ہے تو وہاں کے عوام کا سیاسی سماجی شعور بھی متاثر ہوتا ہے۔ اور یہ سارے انسانی حقوق صرف ایک جمہوری نظام میں محفوظ ہوسکتے ہیں اگر ہم اپنی جدوجہد سے جمہوری نظام کو تقویت نہیں پہنچا رہے ہیں یا ادارہ سازی کے کام میں حصہ نہیں ڈال رہے تو ساری کاوشیں بے کار ہوجائیں گی۔ پھر ہم نے پاکستان کو ایک اکائی تصور کرلیا جو یہ کبھی بھی نہیں تھا بلکہ مختلف اکائیوں کی وحدت تھا اور ہر اکائی کو اس کو سیاسی اقتصادی سماجی اور ثقافتی حق دینے سے مسلسل انکار کیا گیا۔ جمہوریت انسانی حقوق میں سرفہرست ہے اور جمہوری نظام میں مختلف قومیتوں کے حقوق کا تحفظ بھی انسانی حقوق میں شامل ہے لیکن ہمارے پاس ابھی تک ایسا پیمانہ نہیں جس سے ہم وفاق اور اکائیوں کے رشتے کو انصاف کی سطح پر استوار کرسکیں۔ ان عوامل کی وجہ سے ریاست زوال کا شکار ہے، قانون کی بالادستی نہیں، سب کو قانون کا تحفظ حاصل نہیں، امیر اور غریب کیلئے قانون مختلف ہیں، ایک اور دوسرے خطے کے قانون میں فرق ہے، مسلمان اور غیر مسلم شہری کے لئے قانون الگ ہے، مرد اور عورت کے لئے قانون الگ الگ ہے، اگر قانون کی بالادستی ختم ہوجائے تو ریاست کمزور ہوکر بنیادی فرائض بھی پورے نہیں کرسکتی۔ اس زوال میں ایسی ریاست اپنے کام کیلئے صرف جبر پر انحصار کرتی ہے، یہ ریاست دیتی کچھ نہیں صرف لیتی ہے، بجلی ٹیلی فون گیس وغیرہ کے بل لیتی ہے ٹیکس لیتی ہے مگر تعلیم، نوکری، عزت، تحفظ کچھ نہیں دیتی، ریاست کے زوال نے انسانی حقوق کے مسئلے کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے۔ پاکستان میں چونکہ عوام کی اکثریت انسانی حقوق کی تعلیم سے ہی آشنا نہیں ہے اس لئے اس کیلئے یہ جاننا ممکن ہی نہیں کہ ملک کے اندر ان کے حقوق کی کس سطح پہ پامالی ہورہی ہے۔ ملک کا آئین اور بین الاقوامی ہیومن رائٹس چارٹر انہیں کیا حقوق دیتا ہے جو ریاست اور حکمرانوں نے غصب کرر کھے ہیں۔ اگرچہ حقوق انسانی کا عالمی اعلامیہ (UDHR) اور آئین پاکستان مذہبی تعصّبات اور دیگر امتیازات کے خاتمے کیلئے پرعزم ہیں مگر ان تعصّبات کے خاتمے کیلئے حکومت پاکستان نے کوئی عملی اقدامات نہ کیئے۔ اقوام متحدہ کا عالمی اعلامیہ اعلان کرتا ہے کہ ''کسی ریاست، ادارے، افراد کے گروہ یا فرد کی طرف سے کسی کے ساتھ مذہب اور عقیدے کی بنیاد پر کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا'' (دفعہ-1)۔ اسی طرح 1973ء کے آئین پاکستان میں مذہبی اور دیگر تعصّبات کے متعلق یہ کہا گیا ہے ''ریاست شہریوں کے مابین مذہبی نسلی، قبائلی فرقہ وارانہ صوبائی تعصب کی حوصلہ شکنی کرے گی'' (دفعہ-33)۔ مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کو یقینی بنانے کے بارے میں آئین پاکستان میں یوں لکھا ہے: ''ریاست وفاقی وصوبائی ملازمتوں میں معقول نمائندگی دیتے ہوئے اقلیتوں کے حقوق ومفادات کے تحفظ کو یقینی بنائے گی'' (دفعہ-36)۔ اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں جہاں نہ صرف اقوام متحدہ کے عالمی اعلامیہ کے مشمولات کو نظرانداز کیا گیا ہے بلکہ آئین پاکستان کو ''چند صفحات کا کتابچہ سمجھتے ہوئے اس کے تقدس کو بھی پامال کیا گیا۔ 1973ء کے آئین کا سرسری جائزہ لینے سے ملک میں فروغ اسلام کی سرگرمیوں اور دیگر مذہبی اقلیتوں کے ساتھ برتے جانے والے تعصّبات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں آئین پاکستان 1973ء کی وہ دفعات پیش کی جارہی ہیں جن کا تعلق صرف مذہب اسلام کی تبلیغ اور مذہبی اقلیتوں کے ساتھ امتیازی رویے سے ہے:

دفعہ (1): ''مملکت پاکستان ایک وفاقی جمہوریہ ہوگی جس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا''۔ چنانچہ اس دفعہ کے تحت پاکستان کو ''اسلامی جمہوریہ'' قرار دے کر ملک میں بسنے والے

یکساں حقوق کے حامل شہریوں کو اسلامی اور غیر اسلامی کے خانوں میں تقسیم کردیا گیا جس نے ملک میں بسنے والی مذہبی اقلیتوں کے اندر عدم تحفظ کو جنم دیا۔

دفعہ (2): ''اسلام پاکستان کا ریاستی مذہب ہوگا'' آئین کی یہ دفعہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو قومی دھارے ہی سے الگ کردیتی ہے۔

دفعہ (2): ''اسلام پاکستان کا ریاستی مذہب ہوگا'' آئین کی یہ دفعہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو قومی دھارے ہی سے الگ کردیتی ہے۔

دفعہ (41): ''کوئی شخص اس وقت تک صدر کی حیثیت سے انتخاب کا اہل نہیں ہوگا تاوقتیکہ وہ کم از کم 45 سال کی عمر کا مسلمان نہ ہو۔

آئین کی یہ امتیازی اور جانب دارانہ دفعہ مذہبی اقلیتوں کو بالواسطہ دوسرے درجے کا شہری قرار دے کر نہ صرف انسانی حقوق کی دھجیاں بکھیرتی ہے بلکہ یہ پاکستان میں قائم نام نہاد جمہوریت کے منہ پر طمانچہ بھی ہے۔ دفعہ (227) میں وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھانے کے لئے مندرجہ ذیل متن پیش کیا گیا ہے۔ ''میں (نام) صدق دل سے حلف اٹھاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور وحدت وتوحید قادر مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ کتب الٰہیہ جن میں قرآن پاک خاتم الکتب ہے نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت خاتم النبین جن کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا روز قیامت اور قرآن پاک اور سنت کی جملہ مقتضیات وتعلیمات پر ایمان رکھتا ہوں''۔ اس دفعہ میں وزیراعظم کے حلف نامے کا متن وطن سے وفاداری کا عہد کرنے کی بجائے اسلامی عقائد پر کاربند رہنے کا اظہار کرتا ہے حلف نامے کے اس متن کا مقصد غیر مسلموں کیلئے ملک کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہونے کے تمام ممکنہ آئینی راستے بند کرنا ہے کیونکہ ایسے حلف نامے کی موجودگی میں کسی غیر مسلم کا وزارت عظمیٰ یا صدارت کا حلف اٹھانا تو درکنار اس بارے میں کوشش کرنے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے ساتھ تعصب کا یہ رویہ 21 ویں صدی میں بھی جاری ہے گرجا گھروں ہسپتالوں میں بم دھماکے مسیحی تعلیمات کے فروغ پر پابندی اور غیر قانونی گرفتاریاں سیاسی حقوق کا فقدان اور مسیحی نکاح کی بے حرمتی اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ پاکستان میں لسانی نسلی مذہبی اور سیاسی اختلاف کی بنیاد پر ملک کے مختلف خطوں اور طبقوں میں تشدد کے رجحان کی سنگین صورت حال تقاضا کرتی ہے کہ ہم نہایت سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر نہ صرف ٹھنڈے دل سے غوروفکر کریں بلکہ اپنی معاشی سیاسی اور تہذیبی زندگی میں ایسی تبدیلیاں لانے کی بھی کوشش کریں کہ تشدد کے اس رجحان پر قابو پایا جاسکے اور ہم اطمینان سے قوم زندگی کو امن تخلیق اور تعمیر کے راستوں پر گامزن کرسکیں۔ پاکستان کو قوموں کی برادری میں باعزت مقام دلوانے اور ایک عظیم ملک بنانے کیلئے ریاستی امور اور مذہبی معاملات کو ایک دوسرے سے الگ الگ رکھنا وقت کی انتہائی اہم ضرورت ہے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل سفارشات مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔

1: اقلیتوں کیلئے ایک آزاد اور مستقل کمیشن قائم کیا جائے تا کہ مذہبی امتیاز کے خاتمے اور سماجی ہم آہنگی کو ممکن بنایا جاسکے۔

2: مذہبی اقلیتوں کی صورتحال پر نظر رکھنے کیلئے غیر جانبدار انکوائری کمیشن قائم کیا جائے۔

3: آئین پاکستان اور ریاستی قوانین میں شامل تمام امتیازی دفعات کو ختم کیا جائے۔

4: اقرباء پروری بدعنوانی اور نام نہاد اسلامائزیشن نے اقلیتوں کے لئے ملازمتیں حاصل کرنا انتہائی مشکل بنا ڈالا ہے لہٰذا اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں مذہبی اقلیتوں کی تعداد بڑھانے کیلئے مناسب اقدامات کئے جائیں۔

5: اقلیتوں کے مذہبی عقائد کے تحت سرانجام پانے والے نکاح کو قانونی تحفظ دیا جائے تا کہ نکاح کا احترام بحال رہے نیز دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو جبری طور پر مسلمان بنانے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے اور مذہبی اقلیتوں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے۔

6: پاکستان ایک کثیر المذاہب ملک ہے جس کی تاریخ ماضی میں کئی مذاہب سے جالمتی ہے لہٰذا ملک میں بسنے والے تمام مذاہب کے پیروکاروں کو یکساں حقوق اور احترام دیا جائے کسی ایک مذہب یا فرقے کو مہیا کی جانے والی مراعات معاشرے میں تفرقے اور تنازعات کا سبب بنتی ہیں۔

7: غیر مسلم طلباء کیلئے اسلامیات کو لازمی مضمون قرار نہ دیا جائے نیز سائنس ریاضی معاشرتی علوم مطالعہ پاکستان تاریخ اور دیگر مضامین میں سے اسلامی تعلیمات شامل کرنے سے گریز کیا جائے تا کہ تعلیم صرف تعلیم رہے اسلامی تعلیم نہ بنے۔

8: حکومت کا یہ فرض ہے کہ تمام ذرائع ابلاغ کو اقلیتوں کے خلاف منافرت اور تعصب کے رجحان سے پاک کرے نیز مسلم اکثریت کے ساتھ ساتھ دیگر مذہبی اقلیتوں کو بھی ذرائع ابلاغ میں یکساں مواقع فراہم کئے جائیں۔

اب ہر طرف انسانی حقوق کی بات ہورہی ہے، لوگ اس کے متعلق سوچ تے ہیں، باتیں کرتے ہیں اور کچھ عمل کی راہ پر بھی گامزن ہے اسی حوالے سے "ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ پاکستان" بھی راہِ عمل پر گامزن ہے اور پاکستان میں انسانی حقوق پاسداری اور مذہبی ہم آہنگی کے فروغ کے لئے برسرِ پیکار ہے اگرچہ اس ضمن میں ان کی کوشش سمندر میں قطرے کی مانند ہے لیکن پھر بھی ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ایک دن ضرور آئے گا جب انکی ہماری اور آپ کی کوششیں رنگ لائیں گی۔

پاکستان میں مذہبی اقلیتیں شدید عدم تحفظ کا شکار، بین الاقوامی معاہدے مذاق بنادیے گئے

پاکستان کرسچن پوسٹ، انڈیا
ترجمہ: شفیع میر

مذہبی حقوق دراصل بین الاقوامی انسانی حقوق کے قانون کا ایک حصہ ہیں۔ جس طرح، بچوں اور عورتوں کے حقوق کو قانونی تحفظ حاصل ہے بالکل اسی طرح مذہبی حقوق کو بھی قانونی تحفظ حاصل ہے تاکہ تمام مذاہب کے ماننے والے برابری کی سطح پر معاشرہ میں رہ سکیں۔ اقلیتوں کو تحفظ دینے کا قانون پہلی جنگیں عظیم کے بعد وضع کیا گیا تھا۔ تاکہ اقلیتوں کو اپنے وجود کو جو خطرہ ہے، وہ کم ہو۔ پاکستان نے بین لاقوامی معاہدہ برائے سول وسیاسی رائٹس پر 2008 میں کچھ تحفظات کے ساتھ دستخط کئے۔ مگر جب یورپین یونین نے پاکستانی تجارت کے لئے یورپین مارکیٹ میں پابندی لگانے کی دھمکی دی تو پاکستان نے سارے تحفظات دور کردیے اور جولائی 2011 میں ICCPR کو منظور کرلیا جس کے تحت تمام شہری جن میں اقلیتیں بھی شامل تھیں کو سول اور سیاسی امتیازات دے دئے۔ اس معاہدے یا قانون کے آرٹیکل 18 کا مطلب سوچ، ضمیر اور مذہبی آزادی ہے کہ آپ اپنی پسند سے مذہب اختیار کرسکتے ہیں۔ آرٹیکل 19 میں ہر شخص کو اظہار رائے کی اجازت ہے اور آرٹیکل 20 کے تحت مذہبی منافرت پھیلانے کی پابندی ہے۔ اوپر کے تمام قانون آئین کے آرٹیکل 260 میں شامل کرلئے گئے ہیں. انسانی حقوق کی تنظیم نے نوٹ کیا کہ غیر مسلم کے حالات 2012 میں بہت خراب ہوئے اور حکومت انہیں شدت پسندوں کے حملوں سے تحفظ دینے میں ناکام رہی۔ انٹرنیشنل اقلیتی گروپ نے پاکستان کو دنیا کی سب سے بدترین ممالک میں شامل کیا، جہاں 2007 سے اقلیتوں کے لئے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ اسی گروپ نے اقلیتوں کے حوالے سے پاکستان کو دنیا کا ساتواں خطرناک ملک قرار دیا ہے۔ پاکستان سے پہلے سومالیہ، سوڈان، افغانستان، عراق، میانمر اور کانگو ہیں۔ سندھ میں ہندو خواتین کو اغواء کرکے زبردستی مسلمان کئے جانے کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ تمام مسیحی برادری توہینِ رسالت کے تحت پریشان ہے۔ یہ

قانون Iccpr کے منافی ہے گرجے، مندر اور دوسری عبادت گاہوں کو سلسلہ وار تباہ کیا جارہا ہے۔ 2007 کے بعد سندھ میں ہندوؤں کے حالات بہت بدتر ہوتے جارہے ہیں قتل وغارت، اغواء اور بھتہ خوری میں بہت اضافہ ہوا ہے اور انکی عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ شانتی نگر گوجرہ، سیالکوٹ، بادامی باغ، جیسے واقعات اور پشاور کی چرچ پر حملہ اقلیتوں کے ساتھ کئے جانے والے بدترین سلوک کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ ان واقعات نے نہ صرف اقلیتوں کو عدم تحفظ سے دوچار کیا ہے بلکہ معاشرے میں عدم برداشت کو بھی ہوادی ہے۔ مگر دوسری طرف اگر آپ کسی سیاسی جماعت کے نمائندے سے پوچھیں کہ پاکستان میں اقلیتوں کے کیا حالات ہیں اور انکا تحفظ کیسے ہورہا ہے تو ان کا فوری جواب یہ ہوگا کہ اقلیتیں بہت خوش ہیں اور انہیں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ اگر وہ صحیح ہیں تو پھر ساری دنیا کیوں پریشان ہیں اور امریکہ سمیت پوری دنیا میں اقلیتوں پر تشدد اور قانونِ رسالت کے غلط استعمال پر کیوں سوال کئے جارہے ہیں۔ امریکہ کی کمیشن برائے مذہبی آزادی نے اپنی حالیہ رپورٹ میں کہا ہے کہ پاکستان میں اقلیتوں کے لئے حالات بہت خراب ہیں اور حکومت انہیں مناسب تحفظ دینے میں مکمل طور پر ناکام رہی ہے۔ کیونکہ اقلیتوں کے خلاف مجرمانہ حملوں اور پُرتشدد کارروائیوں میں ملوث کسی بھی شخص کو ابھی تک گرفتار نہیں کیا جاسکا ہے۔ درجنوں لڑکیاں جن میں 11 سالہ امریہ مسیح، 12 سالہ مقدس کائنات، 6 سالہ جنتی میگھورہ، ککو کوہلین اور 14 سالہ مانیشہ کماری سمیت کئی غیر مسلم لڑکیاں زنا بالجبر کا شکار ہوئیں مگر کسی مجرم کو قانون کے کٹہرے میں نہیں لایا جاسکا۔ Iccpr کی خلاف ورزی اس طرح بھی ہوئی کہ نوعمر لڑکیوں کو اغوا کیا گیا اور جبراً مذہب تبدیل کروایا گیا۔ 18 اپریل 2014 کی پاکستان ٹوڈے کی ایک رپورٹ کے مطابق ہر سال ایک ہزار عیسائی اور تین سو ہندو لڑکیاں زبردستی مسلمان کی جاتی ہیں اور مسلمان مردوں کے ساتھ شادی کردیجاتی ہے۔ ان میں رنکل کماری بھی ہے جو چیف جسٹس چودھری افتخار کی عدالت میں رو پڑی اور التجاء کی کہ اس کو اپنے ماں باپ کے پاس جانے دیا جائے. مگر جج نے اَن سنی کردی اور اس کو پیر بھر چوندی کے مرید کے حوالے کردیا۔ پیر بھر چوندی ہندو لڑکیاں اغواء کرنے میں بدنام ہے۔ جنہیں وہ اغواء کرکے اپنے حرم میں رکھتا ہے اور پھر ان کا مذہب تبدیل کرنے کے بعد اپنے مرید کے ساتھ بیاہ دیتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق اندازً ہر سال 700 عیسائی لڑکیاں اور 300 ہندو لڑکیاں اغواء کی جاتی ہیں اور مذہب تبدیل کرواکر ان کی زبردستی شادیاں کردی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ صحیح تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ نہ ہی یہ واقعات اور نہ ہی شادیاں رجسٹر ہوتیں ہیں۔ اگرچہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے ان واقعات کی روک تھام کے لئے ایک قرارداد پاس بھی کی ہے مگر اس پر کوئی عمل درآمد نہیں ہوتا۔ 2014 کے پہلے پانچ ماہ میں 6 مندروں کو تباہ کیا گیا جب کہ لاڑکانہ میں دھرم شالہ کو آگ لگادی گئی۔ شکار پور میں ہندوؤں کی مقدس کتاب گیتا کو نذر آتش کردیا گیا۔ اس سال 14 مئی کو قومی اسمبلی نے ان تشدد آمیز واقعات کی مذمت کی اور کہا ہے کہ تمام اقلیتوں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ یہ محض بیان بازی تھی، ہندوؤں کے مندر محفوظ نہیں ہیں۔ مندروں پر حملوں نے ہندوؤں کو مجبور کیا ہے کہ وہ پاکستان سے ہجرت کر جائیں۔ سماجی تنظیم کی ایک رپورٹ کے مطابق مارچ 2014 میں کم از کم دس ہزار ہندو ہندوستان ہجرت کر گئے ہیں۔ ممبر قومی اسمبلی ڈاکٹر رمیش کمار ونکانی کی مندروں پر حملوں کے خلاف دائر کردہ درخواست سنتے ہوئے چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی نے افسوس کا اظہار کیا کہ قانون برائے تحفظ اقلیت پر ابھی تک عمل درآمد نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا کہ آئین کے آرٹیکل 20 میں اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی ضمانت موجود ہے۔ اس موقع پر انہوں نے قومی کونسل برائے اقلیت بنانیکے احکامات جاری کئے۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت ستر لاکھ سے زیادہ ہندو پاکستان کے مختلف صوبوں میں رہ رہے ہیں۔ مگر زیادہ تر صوبہ سندھ میں رہائش پذیر ہیں۔ یہ ہندو پڑھے لکھے ہیں اور تجارت اور نوکری کے پیشوں سے منسلک ہیں. مگر نچلی ذات کے ہندو ہاری کے طور پر کام کررہے ہیں. ایک ذرائع کے مطابق بیس لاکھ ہندو جو دلت ہیں، ہاریوں کی حیثیت سے کام کررہے ہیں۔ کئی ہندو خاندان جنوبی سندھ میں بڑے زمینداروں کے پاس جبری مشقت کررہے ہیں. انہیں ذاتی جیلوں میں رکھا جارہا ہے اور فارم لینڈ سے باہر جانے کی اجازت نہیں. انکی عورتیں اور لڑکیاں بڑے زمینداروں کی ہوس کا نشانہ بنتی رہتی ہیں۔ امریکہ کی بین االاقوامی تنظیم USCIRF کے مطابق حکومت پاکستان مذہبی آزادی کے حق کی خلاف ورزیوں کو برداشت کئے جارہی ہے جس سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ پاکستان اپنے تمام بین االاقوامی معاہدوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ (مضمون لکھنے والا کافی اداروں کے ساتھ منسلک ہے. اور رائٹر انٹرنیشنل کا ممبر ہے)۔

نوٹ: قارئین سے گزارش ہے کہ چانن کے لئے اپنی تحریریں (ان پیج) ٹائپ کرکے اور مضمون کی شکل میں بھیجیں۔۔۔ ادارے کا مضمون نگاروں کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

رابطہ کیلئے: ایڈیٹر ماہنامہ چانن ساؤتھ ایشیاء پارٹنرشپ، پاکستان، حبیب میموریل ٹرسٹ بلڈنگ، ناصر آباد، ۲ کلومیٹر رائیونڈ روڈ ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور۔ 53700، پاکستان
فون: 05-06 ,03-35311701 (42)، فیکس: 35311710 (42) ای میل: info@sappk.org

ایڈیٹر: یاسمین فرخ
Email:yasmeen@sappk.org

کمپیوٹر لے آؤٹ: تبسم شہزاد

سپرویژن لے آؤٹ، ڈیزائننگ، فوٹوگرافی اینڈ پرنٹنگ: محبوب علی